



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ

عربوں کی گزشتہ تجارت

اور  
انگلستان کی صنعت و حرفت



ایک نقشہ کے کہ حسین وہ کل مقامات دکھلائے گئے ہیں کہ جہاں جہاں عربوں کی  
تجارت اور پُر زور حکومت ایک عرصہ تک قائم رہی ہے اور نیز ایک ضمیمہ کے کہ  
حسین اسپن کی چند نامور اسلامی عمارتوں کا تفصیلی حال چُپسی سے لکھا گیا ہے

از

محبت احمد منٹائی

سنہ ۱۳۹۶ھ

طبع اعجاز محمدی اگرہ طبع ہوا









يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ

عربوں کی گزشتہ تجارت

اور  
انگلستان کی صنعت و حرفت

CHECKED 1981

کا  
تیار کنی حال

مع  
ایک نقشہ کے کہ حسین وہ کل مقامات دکھلائے گئے ہیں کہ جہاں جہاں عربوں کی  
تجارت اور پرزور حکومت ایک عرصہ تک قائم رہی ہے اور نیز ایک ضمیمہ کے کہ  
حسین اسپن کی چند نامور اسلامی عمارتوں کا تفصیلی حال و چسپی سے لکھا گیا ہے

از  
محبت احمد عثمانی

۱۹۳۶ء

مطبع اعجاز محمدی اگرہ مطبع ہوا

# ط ط دیکھیں

مین عالیجناب حسن بن عبداللہ صاحب المخطب بہ ثواب عماد نواز جنگ  
بہادر کی اُس کمال قدردانی اور غایت مہربانی کا تہ دل سے شکریہ  
ادا کر کے کہ جس سے صاحب مہر و جہ سے اس ناپذیر کتاب کو اپنے نام  
تامی سے منسوب و فرزین کرنا پسند فرما کر میری عزت افزائی فرمائی ہے  
اس کتاب کو یاد ب تمام صاحب ہر صوفی الصفت کے اسم گرامی کے  
ساتھ منسوب کرتا ہوں۔

خاکسار

مجید احمد منائی

۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء



آج کل قومی عروج اور قومی اقبال کی عزا داری میں جا بجا مجلسیں ہوا ہیں۔ اور ان  
مجلسوں میں تین قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جنکے دلوں میں ایک  
طرح کی غلش ہے مجلس عوامین ہو گا اراۃ صورت بنائے دم خود بیٹھے ہیں۔ آنکھوں  
میں ہیرا آنسو ڈبڈباتے ہیں۔ اور لبوں پر سردا ہیں جاری ہیں۔ لیکن منہ سے کچھ  
نہیں پڑتے۔ وہ سب لوگ وہ ہیں کہ فرط غم سے بچیں ہو کر فوری جوش کے ساتھ  
اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور نہایت دردناک آواز سے قومی مہر اور قومی پرچہ پڑھ کر  
خود بھی روتے ہیں اور دوسرے کو بھی رلاتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں کہ  
مجلس عوامین شریک ضرور ہیں لیکن نہایت سنگدل ہیں۔ تلب میں بالکل حرات  
باقی نہیں رہی ہے۔ مہر اور سوز مثل ناو لون یا غزلون کے شوق کے ساتھ سنتے  
ہیں اور آفرینش مضمون کی داد بھی دیتے جیسے ہیں لیکن جسکو اثر کہتے ہیں وہ اُنکے  
دل پر ذرا نہیں ہوتا۔ بلکہ بخلاف تاثر ہونے کے وہ مہر خوانوں کے رونے اور

رہا نے پراس زور سے قہقہہ لگاتے ہیں کہ خود ان کی حمیت شرم کے واسے پسیدہ نہیں ہو جاتی ہے اور او کو جو ترسک بھی نہیں ہوتی۔

مرثیہ خوانوں کی سحر بیانی بعض دفعہ تو اعجاز کا کام کر جاتی ہے اور بعض دفعہ بانگ لے ہنگام کی طرح گونج کر رہ جاتی ہے۔ قومی مرثیہ خوانوں کا مقصد مرثیہ خوانی سے یہ ہوتا ہے کہ قوم کی اگلی باتیں یاد دلا کر لوگوں کے دلوں کو گرمائیں اور ان کو اپنی حالت زار سنبھالنے پر آمادہ و تیار کریں۔

اگر چہ تعلیم کے بعد تجارت اور صنعت و حرفت ہی ایسی چیزیں ہیں کہ جو قومی فلاح و بہبود کا ذریعہ تسلیم کی گئی ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کی ترغیب و تحریص کے علاوہ قوم کو کبھی تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ نہیں کیا جاتا۔

گو میرا شمار مجلس ۶۰ امین مرثیہ خوانوں کی مبارک فہرست میں نہ ہو لیکن مقام شکر ہے کہ میں اپنے تئیں ان لوگوں میں ضرور شریک پاتا ہوں کہ جنکے دل تو متاثر ہوتے ہیں مگر زبان سے کچھ بولنا نہیں جانتے۔ اب میں نے اس قسم کے لوگوں سے ٹھکر ڈرتے ڈرتے قومی مرثیہ خوانوں کے مبارک گروہ میں شریک ہونے کی نیت کی ہے اور چونکہ میرے نزدیک تجارت اور صنعت و حرفت بھی قومی بھبود کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اسلئے انھیں دونوں مضامین پر طبع آزمائی کر کے میں نے قومی مرثیہ خوان بننے کی نیت کو پورا کیا ہے۔

اگرچہ یہ مضامین اس سے قبل مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے رسالہ حسن کے

قیمتی اور قابل قدر فحون میں شائع ہونے کی عزت حاصل کر چکے تھے لیکن اب میں قوم  
کی عام اطلاع اور بعض احباب کی تعمیل ارشاد کی غرض سے باضافہ حیدر منیہ اور دہلی پ  
حواشی ان دونوں مضامین کو ایک جداگانہ رسالہ کی صورت میں بھی ملک کے سامنے  
پیش کرنے کی عزت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

قوم کو اسکی گذشتہ تجارت کا دردناک مرثیہ اور انگلستان کہ جو فی زمانہ ترقی علم و  
فضل اور دولت و ثروت میں شہرہ آفاق ہے اسکی صنعت و حرفت کی حیرت انگیز ترقی  
داستان سنانے سے میرا دلی مقصد یہ ہے کہ قوم کے دل میں تجارت اور صنعت و  
حرفت کی ترغیب و تحریک پیدا ہو فقط۔

خاکسار

مجیب احمد تمنائی۔

۲۰ ستمبر ۱۸۹۲ء



## عربوں کی گذشتہ تجارت



تاریخ تجارت میں روم کبیر کی تباہی سے بڑھکر مغربی ایشیا پر نوئی فتح کا زمانہ بھی ایک بڑے نمبر کے کا زمانہ شمار ہوتا ہے۔ ان پر قوم کا اطلاق اسوقت سے ہونے لگا کہ جبکہ ان لوگوں نے دائرۂ اسلام میں آکر قدم رکھا اور رفتہ رفتہ مذہبی جوش سے بتیاب ہو کر وہ ازسندھ تا پارسیز فتح و نصرت کا ڈنکا بجاتے چلے گئے ہیں۔ اور تجارت و صنعت کو خدا و رسول کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ کر انہوں نے فروغ دیا ہے۔

اگلی تاریخیں عربوں کی تجارت کے حیرت افزا حالات سے بھری پڑی ہیں۔ وہ مدین ہی کے تاجروں کا قافلہ تھا کہ جسے مہر کو جاتے ہوئے راستے میں حضرت یوسفؑ کو اُنکے ناہربان اور سنگدل بہائیوں سے خرید کیا تھا اہل یہود نے جسوقت مدین پر غارتگری کی ہے تو اُنکے ہاتھ وہاں کے تاجروں کے مال و اسباب میں سے بیشمار زر و جواہر سونے کے عمدہ عمدہ زیورات اور اونٹوں کی گردن میں ڈالنے کے طلائی حلقے آئے تھے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں کی تجارت کس قدر بڑھ رہی ہوئی تھی۔ حضرت خرقیلؑ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ افسنیا سے عدم یاع دہیا کا تجارتی تعلق

۱۱ حضرت یحییٰ سے چھ سو برس قبل ایک پیغمبر اس نام کے گذرے ہیں ۱۲  
۱۳ سال شام کے ایک قطع زمین کا نام ہے کہ جو طول میں ایک سو پچاس اور عرض میں چوبیس میل کے قریب ہے ۱۴

اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ میان سے نیلم۔ زمر و دوسرے قیمتی احجار۔ اور کڑھی ہوئی چیرین معاوضہ میں بیچ کر وہاں کی تجارتی جنس منگانی جاتی تھی۔

ملک عرب کے اطرے مصر کی سلطنت کو تاخت و تاراج کر کے کتنی ہی صدیوں تک تھیسس پر سلاطین اور قابض رہے ہیں۔ شہر گرا کہ جو خلیج عمان پر واقع ہے، ملتان تک ہندوستان اور بابل کی تجارت کا ایک درمیانی واسطہ رہا ہے۔ زمانہ حال کے بعض مورخین کا خیال یہ بھی ہے کہ عافروس وقت ملک عرب ہی میں شامل تھا جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہاں سے سونا چاندی۔ صندل اور جواہرات بکثرت حاصل ہوتے تھے۔

زمانہ قدیم میں ہندوستان اور فنکشیادون کے درمیان جو تجارتی اغراض سیٹھ و رفت ہوتی تھی وہ بذریعہ قافلہ جنگلون کی راہ سے ہوتی تھی۔

۱۵ ہیرودوٹس ایک مشہور یونانی مورخ لکھتا ہے کہ صبر اور لوبان تو عرب کے سوا اور کھین دستیاب ہی نہ ہوتا تھا۔ عربی تجارت کو جیسا فروغ اور عروج زمانہ وسطی میں ہوا ہے ایسا

۱۶ ہیرودوٹس۔ ایک نہایت قدیم یونانی مورخ ہے کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے ۸۴ برس قبل بمقام ہانی کارس پیدا ہوا تھا یونانی زبان میں اس کی تصنیفات بیشمار ہیں اور تاریخ دانی کے اعتبار سے سیر و نے اسکواہوالتاریخ کے نقیبے یاد کیا ہے اسکے زمانہ حیات میں جو تاریخی واقعات گزرے ہیں انکو اس نے نہایت راستبازی سے بیان کیا ہے۔ لیکن زمانہ بعید اور ملک دور دراز کے واقعات اس نے کچھ اس طرح پر بیان کئے ہیں کہ ان میں اور خیالی داستانوں یا فسانوں میں کچھ تغیر نہیں ہو سکتی۔ جبکہ اسکے ملک پر لگیا دس جلا اور ہوا اور اس نے وہاں بھید جو روم کے توا دوسو قہرودوٹس خود ترک وطن کر کے کسی دوسری جگہ چلا گیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ اپنے وطن کو پورا پس آیا اور اس ظالم بادشاہ کے پنجوں سے اپنے ملک کو نکالا۔ ۱۲۔



عروج اس سے پہلے اسکو بھی نہیں نصیب ہوا تھا۔

سلطنت فارس پر قابض اور سلطہ ہو جانیکے باعث بلحاظ تجارت ہندوستان کے بازاروں پر بھی عربوں کو پورا پورا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر چین سے تو وہ بلا کی درمیانی واسطہ ہی کے تجارتی معاملے طے کرنے لگے تھے۔

عربوں نے سواہل افریقہ پر مصر سے رشتہ تجارت برقرار رکھنے کے لئے جایجا تجارتی مندیان قائم کر رکھی تھیں۔ یہاں تک کہ گویا بحیرہ روم کی بحری تجارت تمام کمال عربوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔

شیوع اسلام کے قبل عرب لوگ مکہ کو مقدس جگہ تو نہیں خیال کرتے تھے مگر اہم القریٰ کی حیثیت سے اُنکے دلوں میں اسکی عظمت ضرور تھی۔ تعلیم اسلام کے اثر سے جب اونکو مکہ کی حرمت اور اسکا تقدس معلوم ہوا تو اُس وقت اُنکے دلوں میں اسکی دو گنی عظمت اور وقعت قائم ہو گئی۔ اور قافلے کی پرانی راہوں نے اب پیراز سر نور و نق حاصل کی۔ مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ بوسرفا۔ دمشق۔ بغداد۔ موصل اور مدین۔ جو کہ دجلے کی کنارے قدیم شہر سیلیٹیا کے محاذی واقع ہے۔ یہ سب چونکہ قافلون کے پڑاؤ اور روانگی کی مقامات تھے اسلئے اونکو شہرت اور متول خوب حاصل ہوا۔ خصوصاً بغداد جو کہ دار الخلافت ہونے کے علاوہ قافلون کی گزرگاہوں کے وسط میں بھی واقع تھا بلحاظ ترقی تجارت اُس نے تو بابل کی گزشتہ عظمت و حیروت کو بالکل ہی ہلا دیا تھا۔

عرب۔ روم۔ مصر۔ فارس۔ اور افریقہ کے مغربی سواہل کے مسافران حجاز جو بحر منجم

آتے تھے وہ یہیں سے گزر کر جاتے تھے۔ یہاں اون میں سے بہت سرون کی مقصد  
 دینی کے ساتھ دنیوی حاجتیں بھی پوری ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایسا ہوتا تھا کہ اکثر توتان  
 میں سے محققین قافلہ بنا کر اور بعض پیشہ ور حجاج۔ دولت مند مگر کم ہمت یا ضعیف لوگوں کی  
 طرف سے یا بترجیح کرنے کی غرض سے اخراجات سفر اور کچھ حق خدمت کے طور پر دیکر روانہ  
 کئے جاتے تھے۔

عربوں کا قدم جہاں جاتا تھا وہاں تجارت بھی اُنکے ہر کاب ہوتی تھی۔ جس کسی ملک یا  
 صوبے کو وہ فتح کرتے تھے۔ اوسیں اُنکی طرف سے حاکم اور قاضی مقرر ہوتے۔ مدارس  
 اور مسجدیں تعمیر ہوتیں۔ پختہ ٹرکیں بنتیں اور سب چیزیں خوش اسلوبی کی ساتھ رکھی جاتی تھیں۔  
 مکے کے ہر ایک راستے میں جا بجا کنوئیں۔ مسافروں کی شب باشی کے لئے تھوڑے تھوڑے  
 فاصلے پر کاروانسراؤں میں موجود تھیں اور ہر کون پر فاصلہ بتلانے کے لئے نشانات نصب تھے۔  
 موقع اور محل مناسب پر مسافروں کے لئے تازہ دم گھوڑوں اور اونٹوں کے اڈے قائم  
 تھے یہ باتیں میں جو عربوں کی حسن انتظامی پر بڑے زور کے ساتھ شہادت دیتی ہیں۔  
 سلطنت عرب کی وسعت اور اوس وقت کی وہاں کی طرز حکومت سے جو کچھ فائدہ  
 مرتب ہوئے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

عربوں کی تمام مقبوضات میں خواہ وہ یورپ اور ایشیا میں ہوں یا افریقہ میں زبان عربی  
 ہی رائج تھی۔ اویچی مفتوحات اور مقبوضات عرب کی گویا عام زبان تھی۔  
 اس طرح پُرانے کی سوشل یعنی اخلاقی اور ارتباطی حالت میں بہت کچھ نمایاں ترقی پیدا ہوئی۔

شاہزادے اور مالدار و بیکدرت لوگوں کے صاحبزادے تعلیم و تربیت کی غرض سے دارالعلوم بغداد کے مدارس میں بھیجے جاتے تھے۔ تجارت لوگ تمام عرب میں بغیر تکلیف و زحمت کاروانسرا فی سفر کر سکتے تھے۔ اور جہان جاتے تھے وہاں انکی بری قدر و منزلت اور اکوہگت ہوتی تھی۔ عربوں کی تجارت اس قدر پُر زور ہاتھوں میں تھی کہ حریف سلطنتوں کے روکنے سے بھی نہیں رک سکتی تھی۔

عربوں کا طرز معاشرت بھی اقوام یورپ کے مقابلے میں نہایت ممتاز تھا جس زمانے میں کہ تہذیب جرمن۔ فرانس۔ اور برطانیہ کے خاقانہ تھیں راہبوں میں بھی صرف برائی نام ہی تھی۔ اور اون ممالک کے باشندے علی العموم مغلی اور حشیانہ حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اوس وقت ممالک عرب فضل خدا سے بلحاظ مال و دولت۔ علوم و فنون۔ صناعی و دستکاری۔ اور عمارات عالی عروس سلطنت بنے ہوئے تھے۔

چونکہ عربوں کی شایستگی اور کمال ادب کا زمانہ یورپ والوں کی بدتمیزی اور جہالت کی زمانے کے ساتھ تھا اسلئے اسوقت جو کچھ اونہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اسکو تودہ تیز تکرار کے اور اب جو تاریخین اُنکے سامنے عربوں کی گذشتہ تہذیب۔ علوم و فنون۔ اور دولت و ثروت کا حال بیان کرتی ہیں تودہ اسکو بطور فسانہ اور جوڑے ٹھٹھے کے سمجھتے ہیں۔

حریف اگر سچے واقعے کو بھی نہ مانیں تو بلا سے نہ مانیں۔ اُنکے نہ ماننے سے واقعہ کی استی اور وقعت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ خیر یہ جملہ معترضہ تو اُن یورپین مورخوں کا جواب تھا کہ جو عربوں کے گذشتہ علوم و فنون۔ ترقی تہذیب الغرض اُنکے تمام کمالات کے منکر ہیں۔

اب ہم اپنے اصل مطلب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

عربوں میں جو خلفائے وقت ہوتے تھے وہ عالموں اور اُنکے علوم کی بڑی قدر کرتے تھے چنانچہ انھیں کے اشارے سے یونانی فلاسفہ و ادبی تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں اور بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ علم ہیئت۔ اور کیمیا کی کتابیں خود عربی میں تدوین ہو کر یورپ کی دوسری زبانوں میں ترجمے کے ذریعہ سے گئی ہیں۔ طریق شمار اور خصوصاً جبر مقابله عربوں ہی کے دماغ سے پیدا ہو کر یورپ والوں کو مضاب تعلیم میں داخل ہوا ہے ”الجبر“ کا ”الف لام“ چونکہ خود اُسکے عربی الاصل ہونے پر گواہی دیتا ہے اسلئے یورپ والوں نے بھی اقرار کر لیا اور نہ اس قسم کے خصوص میں وہ دوسروں کے زیر بار احسان ہونے کو ذرا کم پسند کرتے ہیں۔

اسپین کو روماء والوں کی زیر حکومت رکھ رہے رونق اور ترقی کبھی نصیب نہیں ہوئی کہ جو مور یعنی عربوں کے ظل عافیت میں نصیب ہوئی ہے۔ چنانچہ عربوں کے دور میں اسپین کی یہ حالت تھی کہ جہاں دیکھو وہاں آباد شہر۔ عالیشان عمارتیں نظر آتی تھیں۔ طریق آبپاشی کچھ ایسا فرخ اور پراثر تھا کہ زمین کے تختے مثل باغوں کے گلزار اور رشک بوستان بنے ہوئے تھے عربی تاجروں کی جانب ازانہ سیر و سیاحت کی بدولت حیرانی معلومات میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ تجارت عرب کے قافلے کے قافلے اُدھر تو تاتاری ملک کو پاؤں میں روندتے ہوئے ماہیر پانک بڑھتے چلے گئے اور ادھر جب قومی میں سرشار اور مذہب اسلام کے والد و شیدا ہوں کا ایک گروہ ہندوستان میں اکرم قیام ہوا کہ جسکی تلقین اور دعوت سے مسیحوں راجہ اور

ہمارا حیرت شرف بہ اسلام ہوئے۔

عربوں کی تجارت جانب شرق اور بڑی ہی بیناتک کہ بڑھتے بڑھتے چین اور مجمع جزائر ہند تک پہنچ گئی۔ جانب غرب عربی تاجرون کے قافلے پہنچنے کا پتہ صرف نانی گزرتا چلتا افریقہ کے شرقی سواہل پر عربی تجارت کی وسعت میدا غشتقار (میداکا سکر) تک معلوم ہوئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی دولت کے ساتھ خلفا عیش و عشرت کے مملک سمندر میں ڈوب گئے۔ اور اسی کا سیلاب انکی سلطنت کو بہا کر لے گیا۔ عربی سلطنت کا تجارتی فروغ وسعت اور کثرت دونوں اعتبار سے سلطنت ہائے قدیم سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ مگر بات یہ ہے کہ جتنی جلد اس میں ترقی ہوئی تھی اتنی ہی جلد اس کو زوال بھی نصیب ہوا۔ عربوں کی حکمت عملی تو یہ رہا کہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا تجارتی مقامات تعداد میں بڑھائے جاتے تھے اور اقوام قدیمہ کا دستور یہ تھا کہ وہ چند بڑے بڑے شہر چن کر دنیا کی تمام دولت و ثروت کو انہیں میں جمع کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ تجارت کی بدولت عربوں میں جو عام فلز غالبالی اور خوشحالی پھیل گئی تھی اس سے ان کو فلاحات اور زیر صنعت و حرفت کے دوسرے شعبوں کی طرف مائل کیا اور جب ان کا وقت آیا تو انہوں نے مجلس تباہی کی طرٹ انکی عام توجہ کو مبذول کرادیا۔ دولت مند لوگ خوشنما اور پرفضا یا غن پر نازان نظر آنے لگے۔ اور ادنیٰ وجہ کے لوگ سامان آرائشی بنانے اور مصی کرنے میں ذوق طبع ظاہر کرنے لگے۔ صنعت و دستکاری میں پیشی کپڑے سب سے زیادہ پوچھے جاتے تھے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ متصرف بالمد کے توشہ خانے میں ایک ہزار پیشی پر دے لو خود تھے

کہ جن پر سونیکے تارون کا سوزنی کام کرنا ہوا تھا۔ یہ پردے کیا تھے گویا چھ خاصے  
مرقعے تھے کہ جن پر شاہان سلف۔ خلفاء اور دارالخلافت کے نامور لوگوں کی تصویریں مصو  
ر کے مشہور کارناموں کے کڑی ہوئی تھیں اور جس خاندان میں سے جو خلیفہ اور بادشاہ  
ہوتا تھا اس کا نام تصویر کے نیچے سوزکاری سے لکھا ہوتا تھا۔ آسمانی رنگ کی زمین  
کے قالینوں پر تاریخی واقعات کے علاوہ شہروں دریاؤں شکرکون اور سمندروں کے  
نقشے بھی مختلف رنگ کے ریشمی دھاگوں اور سونے چاندی کے تاروں سے کڑے رہتے  
تھے اس قسم کے قالین نہایت قیمتی ہوتے تھے چنانچہ اسی قسم کے ایک قالین کی قیمت  
بائیس ہزار دینار بیان کی گئی ہے۔

تجارت سے عربوں کو ایک بڑا نفع بھی پہنچا کہ انہیں سفر اور سیاحت کا ذوق  
پیدا ہو گیا۔ تاجر لوگ اپنے بیٹوں کو قافلے کے ساتھ دور دراز ممالک میں بھیجا گویا ایک  
جزو تعلیم سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں جہاں کہیں علوم و فنون کے اساتذہ کامل ہوتے تھے  
وہاں عرب لوگ اپنی اولاد کو لطیف خاطر بھیج کر پھر آخر الزمان کے ارشاد <sup>۱۵</sup> اطلبوا العلم  
و لو کان فی الصین کو سب جو شہم سمجھ لاتے تھے۔ الغرض عربوں نے اس طرح پر وہ تہذیب  
اور شایستگی حاصل کر لی تھی کہ جو اس سے قبل انہیں نام کو بھی موجود نہیں تھی  
دارالخلافت بغداد کی دلکش خوبصورتی اور اس کی شان و عظمت سلطنت عرب کے مختلف ممالک  
میں سے سیاحین اور شائقین کے گردہ کے گردہ اپنی طرف بکثرت کھینچتی رہتی تھی۔ چنانچہ

۱۵ ترجمہ۔ طلب علم کی کوشش کرو اگرچہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو ۱۲۔

کہا جاتا ہے کہ اوبکے مشتاق سیاحوں کی سالانہ تعداد حجاج مکہ کی تعداد کی برابر ہوتی تھی۔  
 صنعت و حرفت اور زراعت کی برکت سے خاص عرب میں بھی اس قسم کی تجارتی اشیاء  
 پیدا ہونے لگی تھیں کہ جو مالک غیر کی اشیاء سے ہر طرح پریمیز اور انوکھی ہوتی تھیں۔ عرب  
 ہرمین میں فن پارہ بانی میں لکھتا تھا۔ مضافات یمن میں سے صنعا جو ایک مشہور قصبہ ہے  
 اس میں خرے اور گندم کی پیداوار بکثرت ہوتی تھی۔ روغن بلسان سکے سے بارہو کر فارس  
 اور ہندوستان میں جاتا اور وہاں سے اس کے معاوضے میں ہندوستانی اور ایرانی  
 ساخت کے کپڑوں کی کیسپ آتی تھی۔ کافی کہ جبکانام عرب والوں نے اس کی خاصیت  
 کے لحاظ سے قوہ کہتا ہے یہ بھی عرب کی خاص پیداوار تھی۔

بہ نظر دلچسپی مغز ناظرین ذیل میں ہم عرب کے چند نامی گرامی تجارتی مقامات کا ذکر کرتے ہیں  
 بغداد اور اسکے قرب و جوار کے مقامات نے توجہ کیا کہ ہم اوپر بھی لکھ چکے ہیں بابل کی گذشتہ  
 تجارتی وقعت اور رونق کو اپنی سرزمین پر گویا از سر نو ہی پیدا کیا تھا۔

دمشق جو صوبہ شام کا صدر مقام اور دنیا کے نہایت قدیم شہروں میں سے ایک پرانا شہر  
 نسیم کیا جاتا ہے وہ حجاج مکہ کی گذر گاہ پر واقع ہونے کے سبب سے ایک بڑا تجارتی مقام

۱۱ یونانی طبیعیوں نے اسکے خواص میں اس کو مسدود یعنی بیداری لانے والی شے کہا ہے ۱۲  
 ۱۳ اس موقع پر مختلف ممالک میں قوہ کے عام رواج یا نیکازمانہ بتلانا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ قسطنطنیہ میں اول اول  
 ۱۴ قوہ خانہ قائم ہونے کی تاریخ ۱۵۵۰ء مارٹس میں ۱۶۱۱ء پیرس میں ۱۶۱۲ء ہمبرگ اور نوربرگ میں ۱۶۹۶ء اور لندن  
 ۱۷۵۵ء میان کی گئی ہے۔ قوہ کا پورٹا اول اول بیلیامین ۱۶۹۹ء ایمپٹروم میں ۱۷۱۵ء سوری نام میں ۱۷۱۵ء ہندوستان  
 ۱۷۱۵ء کین دمارٹنگ میں ۱۷۲۱ء اور جیکامین ۱۷۳۱ء میں لایا گیا تھا۔ ۱۲

تھا۔ علاوہ ازیں وہ فن لوہاری اور خصوصاً تلوار سازی میں ہمیشہ مشہور رہا کیا ہے۔ چنانچہ  
تلواروں پر جو وہان نقش و نگار ہوتے تھے اُسی کے اعتبار انگریزی زبان میں اُس قسم کی  
منقش تلوار کے ساتھ لفظ ڈیمیننگ استعمال ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس لفظ ڈیمیک جو انگریزی  
زبان میں شجر اور جامدانی کے لئے مستعمل ہے وہ بھی شہر دمشق (ڈیمیک) کی مناسبت کے  
محاط سے بولا جاتا ہے۔

ضلع ارمینیا اور بالخصوص ٹری بڑا نڈک جو بحر اسود پر واقع ہے یہ دونوں ارغوانی زنگ کے  
منقش پردوں کے باعث دُور دُور مشہور تھے۔

طہران کہ جہان کو تاتار کے کاروان گذر کر جاتے تھے اُسکے بازاروں میں اعلیٰ ترین  
فنیچر یعنی اسباب آرائشی مکانات۔ سوت۔ کتان اور شرکی شہم کے کپڑے اور غیر مختلف  
قسم کا سامان وافر ہمیشہ موجود رہتا تھا۔

عربوں کے عہد حکومت میں فارس کی اندرونی تجارت کی خاص منڈی اصفہان تھا۔  
جسکو کہ اس وقت سلطنت فارس کے پایہ تخت بننے کی بھی عورت حاصل تھی۔ اس شہر میں  
کتان اور اُون کے کپڑے نہایت ملایم اور نرم بنے جاتے تھے۔ وہان کی کتان تو غیر  
مثل ریشم کے باریک ہوتی ہی تھی۔ مگر اُون بھی ایک خاص قسم کی بریر سے لیجاتی تھی کہ جو  
اُس کے سرسبز و شاداب رمنوں میں لکھریالی جاتی تھی۔

بحیرہ اَرل اور طبرستان (کاسپین) کے درمیان کے نیلبی حصہ میں ان تاجروں کا گروہ



آباد تھا کہ جروس اور عرب والوں کے مابین تجارتی لین دین کیا کرتے تھے۔ عربوں سے سوت، کتان، اور ریشم کی صنعتکاری کی چیزیں لیکر ان کے معاوضے میں انکو سمبوسہ اور موسم شمالی ایشیا کی پیدا شدہ چیزیں دیتے رہتے تھے۔ تاجر لوگ خراسان سے دریا والگا کے دہانے تک اور وہاں سے جانب شمال کرزن اور جانب غرب دریاے وٹان تک پہنچتے تھے۔

ملک نائیکر سے اہل عرب سونا اور برص لاتے تھے اور وہیں انکو وہ جنگلی اور غیر مانوس جانور بھی بکثرت ملتے تھے کہ جنکے سدھانے اور تربیت دینے میں انکو اپنے ہنر و کمال دکھلانے کا موقع ملتا تھا۔

عربوں اور چینوں کے باہم تعلقات ملکی کا ایک مضبوط رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ چنانچہ بغداد سے کنسٹنٹن تک قافلوں کی آمد و رفت کے لئے برابر تین راستے کھلے ہوئے تھے۔ جن میں سے دو راستے تو منگولیا اور ارض علی تاتاار خود مختار میں سے ہو کر جاتے تھے اور تیسرا بلخ اور ختن کے مشہور تجارتی مقامات سے گذر کر بخارا کو طے کرتا ہوا جاتا تھا۔

عتق اوس زمانے میں ناف دنیا شمار ہونے کے علاوہ قسم قسم کی صنعتکاری کے کارخانوں اور مختلف علوم و فنون کی درسگاہوں کے باعث بھی دُور دُور مشہور تھا۔ اور اسکے قریب جوا کا منظر نہایت ہی نظر فریب اور دلکش تھا۔

قافلہ تجارتی آمد و رفت کے لئے جو ایک راستہ خراسان سے افغانستان اور بخارا کو



بہادران عرب اسپین کا جو صوبہ فتح کرتے تھے وہ تمام وکھال اونھیں کی ملکیت تصور ہوتی تھی۔ الا جو ملک ان کے پاس بصلح آتا تھا اُسکے باشندوں کے حقوق ملکیت وہ ہر طرح محفوظ اور برقرار رکھتے تھے۔

عیسائی مورخین کا فاتحین اسپین پر یہ بہت بڑا اعتراض ہے کہ وہ اسپین کے اصلی باشندوں کو براہ تعصب فوجی خدمتیں نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ممالک شرقیہ ہی کی فوجیں تمام اسپین میں بھیلی ہوئی تھیں۔ چنانچہ قرطبہ میں خود خلیفہ کی خاص سپاہ قسینات رہتی تھی۔ سویل میں ایمپیا کے رسالے اور الجزیرہ مدینہ۔ سڈونیا میں فلسطین کی پلٹین جاپنی ڈالے پڑی تھیں۔ غناطہ میں شریف و نجیب عربی خاندان کے ہزار ہا لوگوں سے رسالہ بہرتی کر کے رکھا گیا تھا۔

عیسائی مورخ اگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتے تو کہیں اونکو اس قسم کے اعتراض کرنے کی جرات نہوتی۔ کیونکہ خود انکی سلطنتیں بھی قومی طرفداری کے مخصوص سے متشی نظر نہیں آتیں ہندوستان میں فوجی ملازمت کا جو حال ہے وہ خود تیار ہا ہی کر غریب مقبوضین کے مقابلے میں فاتح قوم کے ساتھ کس درجہ طرفداری کا بڑا دکھایا جاتا ہے۔ ویسی لوگ فوج میں بہرتی ضرور ہیں۔ لیکن انکی ترقی اس قدر محدود ہے کہ اس بہرتی کئے جانے سے اُنکا نہ بہرتی کیا جانا اُنکے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ یورپین کے لئے ترقی کا وسیع میدان کھلا پڑا ہے۔ افسری کی ادنی خدمت سے وہ کرنل۔ جرنیل۔ حتیٰ کہ گمانڈر پمپنی کے منصب جلیلہ اور اعلیٰ خدمت پر تبدیل ہو سکتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ متعصب مسیحی مورخ

اپنے ہاں مفتوحین کو فوج میں با اثر خدمتیں نہ دیئے کو مصلحت ملی اور وہاں تعصب یہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

عالی ہمت اور بلند حوصلہ عرب صرف اسپین ہی پر اکتفا کر کے نہیں بیٹھے بلکہ ان کے منچلے بہادر وں نے سلطنت فرانس کی طرف بھی قدم بڑھایا اور طورس تک پہنچے بھی مگر ناسازگاری بخت سے ایسا ہوا کہ سولہویں چارلس مارٹل کے مقابلہ میں اودن کو شکست کھا کر وہاں سے بے نیل مرام لوٹنا پڑا۔

کوہ پائرنیز کہ جو اسپین اور فرانس کے درمیان حد فاصل کے طور پر واقع ہے اسے بھی اپنی دشوار گزاری کے باعث عربوں کو اپنے اوپر یا استقلال قبضہ نہیں دیا اور اس میں جو پھڑی جبرگوں کے لوگ آباد تھے انہوں نے بھی اقوام غیر کا مطیع فرمان بننا کبھی گوارا نہیں کیا۔

بالآخر پندرہویں صدی میں سات سو سال کی با عظمت و جلال حکومت کے بعد عربوں کو ہمیشہ کے لئے اسپین چھوڑ کر نکلنا پڑا۔ ان سات صدیوں کا تاریخی حال سلطنت ہائے مشرق کی صد ہا صدیوں کی برابر ہے۔ الغرض جو سلطنت ایک زمانے میں عقل و دانش اور جرات و بہادری سے عربوں کے ہاتھ آئی تھی وہی اب اودن کی ناعاقبت اثری بر عقلی اور بزدلی کے باعث ان کے قبضے سے کلگئی۔

عربوں کی جفاکش اور محنت پسند طبیعت کے ہاتھوں اسپین کا چپہ چپہ رشک مریا ہوا تھا یہاں تک کہ نجیبہ سبزی زمین کے قطعات بھی نہروں اور تالوں کی آبیاری سے تختہ کلرا

بنے ہوئے تھے۔

تجارت کے باعث مال و دولت میں دن و گنی اور رات چوگنی ترقی تھی نصف صدی سے بھی کم مدت میں عربوں کی ناشائستہ اور وحشی قوم تہذیب اور شائستگی کے اعلیٰ رتبے کو پہنچ گئی تھی۔

امیر اسپین ابتدا میں خلافت دمشق کے زیر دست اور باجگزار ہوتے تھے خلافت دمشق کے تہ و بالا ہونے کی وقت ایک شخص عبدالرحمن نامی جو کہ خاندان شاہی میں سے تھا وہاں سے نکلا اسپین میں آیا اور یہاں اُس نے اپنی خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی اسپین کو جب اس طرح خود مختاری نصیب ہوئی تو وہاں کی وہ دولت و ثروت کہ جو وہاں سے نکلا بطور خراج دمشق کے خزانے میں داخل ہوتی تھی اب وہیں رہنے لگی اور اس سے ترقی تہذیب میں گویا اور زیادہ مدد ملی۔

مورخین نے عبدالرحمن کے حال میں لکھا ہے کہ اُسکی سالانہ آمدنی حسب تفصیل ذیل ہوتی تھی۔  
سونا دس ہزار اونس۔ چاندی دس ہزار رطل۔ خمر دس ہزار۔ زرہ بکتر ایک ہزار۔ خود ایک ہزار۔ برچھیان ایک ہزار۔

عبدالرحمن ثالث کے وقت میں سلطنت اسپین کمال عروج پر تھی اور اُسکے عہد میں اسپین کی آمدنی بھی بہ نسبت دوسرے خلفاء کے عہد کے بڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ مالگذاری کا ساڑھے پانچ ملین روپیہ سال بسال رعایا پر کسی قسم کا فضول و رنا گوار نکس لگانے یا اور کسی طرح کی جبر و تعدی کر نیکی بغیر وصول ہو جایا کرتا تھا۔

عبدالرحمن ثالث کے وزیر اعظم نے ایک موقع پر اس کے حضور میں جو نذرانہ پیش کیا تھا اُس کا حال موزخین نے بھی بیان کیا ہے۔ اوسکو دیکر اسپین میں عربوں کے متول کا اندازہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔

موزخین نے اس نذرانہ کی فہرست حسب تفصیل ذیل دی ہے۔

طلاے خالص ۴۰۰ رطل۔ چار لاکھ بیس ہزار دینار کی مالیت کی چاندی کی سلاخیں۔  
مصبر ۴۰۰ رطل۔ عنبر ۵۰۰ اونس۔ کافور ۳۰۰ اونس۔ تاش بادلے کے تیس تھان۔  
قسم اعلیٰ کے پوسٹین دسل۔ سمبوری پوسٹین ایک تنو۔ گھوڑوں کی ریشمی اور کارچوبی  
جولین چار درجن۔ ریشم ۴۰۰ رطل۔ ایرانی قالین تیس عدد۔ اٹھ سو گھوڑوں کا فولادی  
ساز و سامان۔ ایک ہزار ڈھالین۔ ایک لاکھ تیر۔ ایک سو پندرہ عربی گھوڑے۔  
اور بیس خچرین مع قیمتی زیورات۔

دولت و ثروت کے ساتھ عقل و دانش اور علم و ہنر کا بھی تمام اسپین میں سکھ بیٹھا ہوا تھا۔  
حق تو یوں ہے کہ اسپین کے بید متول نے مشرقی ٹیپ ٹاپ کو اپنے دل کے ارمان  
نکالنے کا خوب ہی موقع دیا تھا۔

چنانچہ قصۃ الحم اکلی درودیوار کے طلائی نقش و نگار اور رنگ برنگ کی گلکاریاں پر چہرہ  
نظارہ کے ساتھ اب بھی اُس کے مٹے مٹے نشان ظاہر کر رہی ہیں۔

خلفائے اسپین کو عمارات کا اس درجہ شوق تھا کہ اسپین کے ہر صوبے اور ہر شہر میں

عالی عالیشان متعدد مسجدیں اور ہشتار سر بفلک قصر کٹرے نظر آتے تھے۔ اور جو عمارت ہوتی تھی وہ اس شان و شکوہ اور صنعت کی ہوتی تھی کہ آج باوجود اسکے کہ اُس زمانہ کی مشہور عمارتیں دیرانے اور کونڈر کی بھیانک اور مہیب صورت بنا کر کھڑی ہیں لیکن تاہم جس شخص کا اوہر گزر ہوتا ہے وہ اون کی عجیب و غریب صناعتی پیش کش کئے بغیر نہیں رہتا۔

مسجد قرطبہ کہ جسکو عبدالرحمن اول نے تعمیر کرا کر اپنی عالی حوصلگی اور فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا وہ چھ سو فٹ لمبی اور دو سو پچاس فٹ چوڑی تھی۔ اُسکی چیت کو سنگ مرمر کی ایک ہزار تیرانوے ستون بلحاظ عظمت اپنے سروں پر لئے کھڑے تھے مسجد کا اندرونی حصہ ستونوں کی قطاروں سے آویشل درجوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ مسجد میں رات کی وقت سات اٹھ ہزار گلاس اور قندیل روشن ہوتے تھے جنہیں روزانہ بیس ہزار رطل تیل جلتا تھا۔

قصر الزہرہ کی عمارت میں اس مسجد سے بھی بڑھ کر اعلیٰ درجے کی صناعتی دکھلائی گئی تھی باوجود تعجیل اور کوشش بلینج کے اُسکی تعمیر میں پچیس سال کا عرصہ لگا تھا۔ اسکی لاگت کا تخمینہ سو اسی لاکھ روپیہ کیا گیا ہے۔

مدینۃ الزہرہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ قصر الزہرہ کے ارد گرد بعد میں آباد کیا گیا تھا۔ قرطبہ سلطنت اسپین کے دار الخلافت ہونیکے علاوہ کارچوبی کے کام سونے اور چاندی

کے زیورات کی ساخت اور وہیں کے ایک خاص قسم کے چڑیکے لحاظ سے بھی مشہور عام تھا  
 شہر قریب کی وسعت اور رونق ظاہر کرنے کے لئے اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اوسمیں چھ مسجدیں  
 اور ایک ہزار حمام موجود تھے۔ صنعت و حرفت پیشہ والوں کے دو لاکھ خاندان آباد  
 تھے۔ اور ہر خاندان کی بود و باش علیحدہ علیحدہ تھی۔ ریشم بانی کے سولہ ہزار کارخانے قائم  
 تھے اور صرف سوئیل میں ایک لاکھ تیس ہزار جولاہے بستے تھے۔ آبادی کی گنجائی کی یہ  
 کیفیت تھی کہ دریا کے گونا گونہ کھنڈوں کے کناروں پر جو مواصلات آباد تھے ان میں باہم  
 ایک چوتھائی فرسنگ کا بھی فصل نہ تھا۔

وہاں کے لوگوں کی محنت اور جفاکشی کا یہ حال تھا کہ وہ ہر ایک کام اور ہر ایک پیشے  
 کو نہایت سرگرمی اور بڑی تندہی سے انجام دیتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح  
 وہ کسی قسم کی محنت اور حروف کو باعث ذلت اور عار نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ اہل یونان اور  
 روم کی طرح محنت اور مزدوری کو فعل غلامی خیال کرتے تھے۔

اہل عرب اپنے مفتوحین کے ساتھ اس نرمی اور مہربانی سے پیش آتے تھے کہ شاید کوئی فتاح  
 اپنے مفتوح سے کبھی اُطرح نہ پیش آیا ہوگا۔ وہ بات کی دہنی اور قول کی پیکے ہوتے تھے۔  
 چاندی کی قدیم کانیں کہ جو اسپین میں ازکار رفتہ سمجھ کر دیسے ہی چوڑی گئی تھیں عربوں کی  
 تدبیر و حکمت سے وہ پھر چاندی اُگلنے لگیں اور دریافت امریکہ تک اسپین کے معاون سے  
 براہِ قیمتی فلزات نکلتے رہے۔ لعل و زمرد جیسا اور ملاگا سے نکالے جاتے تھے۔ مرجان



اور موتی ساحل سمندر پر جمع کئے جاتے تھے۔

عرب لوگ ریشم اور اون کے رنگنے اور بننے اور بالخصوص معدنی کاموں میں نہایت مشہور تھے۔ انکی صنعت و حرفت کی دوسری پیدا کی ہوئی چیزیں مثل ریشم خام۔ روغن۔ شکر۔ سیاب۔ لوہے کے شہتیر۔ رنگ۔ عنبر۔ قنطاریس۔ مرہ۔ بلور۔ گندہک۔ بول۔ قطن طنیہ کو بطور برآمد کثرت بھیجی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں ملک کی اور دوسری مختلف پیداوار کی اس درجہ کثرت تھی کہ بہ نسبت درآمد کے وہاں کی برآمد کی مقدار ہمیشہ بڑھتی رہتی تھی۔ اور تبادلہ جس کے لحاظ سے عرب ہی ہمیشہ نفع میں رہتے تھے۔

متواتر کامیابیوں اور مجید دولت و ثروت نے قاعدہ عام کے مطابق انکو ایسا بدست کیا کہ وہ اپنے پاک مذہب اور سچے دین اسلام کے بھی پورے پورے پابند نہ رہے اور عیش و تیش میں پڑ کر بالکل سُست و کاہل بن گئے۔ انکے ولوں میں جوش اور ہاتھ پائوں میں طاقت تو باقی رہی نہ تھی مگر ادھر بھی طمع و حرص کے گدگد کرنے سے اُن سے بچلا نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے ضعف اور ناتوانی کے زمانے میں پارتیز کے جنگجو پہاڑی لوگوں سے جا بڑے اور بجائے اسکے کہ اُسے پہاڑ کی دشوار گزار گھاٹیاں خالی کر کر افریقہ خود قابض و مسلط ہوتے افسوس اور صدمہ فوس کہ اُنکو ہی اسپر خالی کر دینا پڑا افریقہ میں عربوں کی تجارت عربوں کی فتح سے پہلے بربرانکی اصطلاح میں افریقہ کے اُس حصہ ملک کو کہتے تھے کہ جو مصر سے لیکر بحر اطلال تک پھیلا ہوا تھا اور اسی کا کچھ حصہ زمانہ قدیم میں ماریٹیمیا کے نام سے بھی مشہور تھا۔

نہ یہ دیر سے یا نائب السلطنت اوس پر حکمران ہوا۔

خلافت دمشق کا عاقبہ ہونیکے بعد بربری عربوں کے دلمین بھی سلطنت اسپین کی طرح اپنی خود مختار سلطنت قائم کرنے کی ترغیب اور تحریکیں پیدا ہوئی۔ اور اسی بنا پر مصر میں خاندان بنی فاطمہ کی پُر زور خلافت قائم ہو گئی۔

ٹونس سے جانب جنوب بارہ میل کے فاصلے پر شہر قیروان جو شہ ۶۰۰ میں تعمیر کیا گیا تھا مالک بربر کا صدر مقام اور خلیفہ دمشق کے نائب السلطنت کا قیام گاہ تھا۔ گو اب یہ شہر چندان شہور نہیں مگر اُس زمانے میں اسکی شہرت اور عظمت کا یہ حال تھا کہ مروج خلافت کے اعتبار سے گویا وہ بربری سلطنت کا مرکز بنا ہوا تھا کہ جس سے مشرق مغرب اور جنوب کو برابر ٹرکین چلی گئی تھیں شہر کے چوں بیچ ایک نہایت عظیم الشان مسجد کثری اسلامی شان شوکت ظاہر کر رہی تھی۔ اسکا طول ۲۵۰ اور عرض ۱۵۰ گز کے قریب تھا۔ اسکے گنبد کو کہ جو اعلیٰ درجے کے سنگ مرمر سے تراش کر بنایا گیا تھا اسی قسم کے پتھر کے ۲۴ ستون اپنے سروں پر اٹھائے کھڑے تھے اور باقی حصہ مسجد کو معمولی پتھر کے ستون کہ جو شمار میں چار سو چودہ تھے سنبھالے ہوئے تھے۔

اسی جگہ سے شہر کے ساتون دروازوں کو بڑی بڑی کٹادہ اور فراخ ٹرکین گئی تھیں کہ ہر وقت تجارتی مال کی آمد و رفت بہتی تھی۔ ان میں سے خصوصاً ان دو ٹرکون پر کہ جو باب طونس اور باب الفتح کو جاتی تھیں بارہ میل تک بلا کسی فرق و فصل

کے دونوں طرف نہایت عالیشان دکانیں کھلی ہوئی تھیں کہ زمین نہ  
 تک کہ یورل اور چین کیسے دور و دراز ممالک کی چیزیں بھی بکثرت موجود رہتی تھیں۔  
 قیردان کے قرب و جوار میں اور بھی بہت سے پُر رونق شہر آباد تھے کہ جنکو اپنی تجارتی  
 منڈیوں اور سنگ مرمر کی عمدہ اور نفیس عمارتوں پر بہت بڑا فخر اور تاز تھا۔  
 ذیل میں ہم افریقہ کے چند ایسے شہروں کا حال لکھتے ہیں کہ جو تجارت اور اسباب تجارت  
 کے لحاظ سے شہرت پائے ہوئے تھے۔

بکاڈا ہی صرف ایک ایسا ہی شہر تھا کہ جسکو شراب خرابی نے کیوجہ سے شہرت حاصل تھی۔  
 حوالی کسک میں قلعوں کی شمار دو سو تک پہنچی تھی۔

صبرہ کہ جو غلہ کی تجارت کا خاص مقام تھا وہ پائیتخت قیردان سے بذریعہ ایک طویل  
 طویل دیوار کے ملحق کر دیا گیا تھا اور اُس کے آس پاس بہت سے ایسے بندرگاہ موجود  
 تھے کہ جو بحری تجارت اور صنعت و حرفت کے لحاظ سے یکساں مشہور تھے۔

صومہ میں زریفت اور بادلے کے تھان اس صفائی اور صناعتی سے تیار ہوتے  
 تھے کہ لوگ انکو بلحاظ اسکی نزاکت اور صفائی کے ”ریح منسوج“ یعنی ”نبی ہوئی ہوا“ سے  
 تعبیر کرتے تھے۔

حمادیا اور سفاکس میں سفید تو ت بکثرت پیدا ہوتے تھے اور ریشم کے کپڑے بھی  
 بافراط پائے جاتے تھے۔

طرابلس میں سبب ایک میدان شور کے قریب واقع ہونیکے نمک کی بہت کثرت تھی

تہا ہرن میں بحری اور کاروانی دونوں تجارتوں کا سلسلہ قائم تھا۔ بحری تجارت کا  
 تعلق بالخصوص جزیرہ سسلی اور اسپین کے ساتھ تھا۔ اور کاروانی تجارت کے لحاظ سے  
 تمام بندر گاہیں پائیتخت قیروان سے بذریعہ ٹرکون کے وابستہ تھیں۔ ممالک بائینیا  
 کہ جن میں اب مراکو۔ فیض۔ اور مغربی الجزائر شامل ہیں عرب اور اسپین کے لوگوں کو  
 اپنی طرف گویا مقناطیسی قوت سے کھینچتے رہتے تھے۔ چنانچہ انھیں نووارد لوگوں کی  
 مجموعی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اٹھویں صدی میں شہر فیض کی بنیاد پڑی۔ شدہ شدہ فیض نے  
 صنعت اور دستکاری خاص کر فیض کلاہ کے بنانے میں کہ جو زیادہ تر رومی کلاہ کے نام  
 سے مشہور اور اب تک ترکون اور ہندوستان کے حذب لوگوں کے سردن پر نظر  
 آتی ہیں۔ بڑا نام پیدا کیا۔ کپڑے بافی اور رنگ سازی کے پیشکار خانوں کے علاوہ  
 وہاں ریشم اور زردوزی کے کارخانے اور صابون کی بیٹھیاں بھی بکثرت موجود تھیں  
 اسکے سرسبز و شاداب تختہ جات زمین میں غلہ۔ کھجور۔ انگور۔ اور زیتون کی پیداوار  
 بافراط ہوتی تھیں۔ بیٹر۔ بکریوں۔ گھوڑوں۔ گدھوں اور اونٹوں کے غول کی غول  
 ہرے ہرے مرغزاروں میں چرتے چاتے اور کلیں کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔  
 معدنی پیداوار میں لوہا۔ تانبا۔ سرمہ اوس ملک کی خاص چیزیں تھیں۔ مکہ سے اس  
 ملک کی تجارت بذریعہ کاروان اور لوانٹ سسلی۔ اور اسپین میں جہازوں کے  
 ذریعے سے ہوتی تھی۔ وسط افریقہ یعنی سوڈان اور حبش میں یہاں کے تاجروں کی  
 آمد و رفت بغرض حصول۔ پر۔ بردہ۔ سوتا۔ اور ہاتی دانت برابر جاری رہتی تھی اور

سکل میاں چیزوں کی تجارت کا خاص دساورتھا۔

سکل میاں کہ جو علاوہ دساورگاہ ہونیکے صنعت و دستکاری کے اعتبار سے بھی ایک بڑا مشہور شہر تھا وہاں سے شرقاً و غرباً ہمیشہ مصر اور نائیکر کو قافلے جاتے تھے۔

اس مقام کی تجارت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ عربوں نے مال تجارت کی درآمد اور برآمد کی سہولت کے لئے پہاڑ کا ٹکڑیا لیس میل لمبی ایک شہر نکالی تھی۔

ممالک اریٹینیا کی گذشتہ اور موجودہ حالت میں بلحاظ سرسبزی و شادابی بہت بڑا فرق ہے۔ جہاں اب خشک اور بجز زمین کے قطعات پڑے نظر آتے ہیں وہاں پہلے

میں سرسبز اور شاداب اور لہلہ مانتے ہوئے باغات آباد و مضافات پیشیا عظیم الشان قلعے اور جا بجا آبپاشی کے لئے نہریں اور نالے موجود تھے۔ اس بنا پر اسکی اگلی

اور موجودہ حالت دیکھ کر دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دراصل نیچر کی مہربانی اور فیاضی نسبت پہلے کے اب کچھ کم ہے کہ جسکے باعث اس سرزمین کو یہ روز

بد دیکھنے نصیب ہوئے خیر اس گئے گزشتے زمانہ میں بھی اسکی زرخیزی کا یہ حال ہے کہ جس جگہ آبپاشی وغیرہ کا اچھا بندوبست کیا جاتا ہے اس جگہ گویا گذشتہ سرسبزی اور

شادابی کا نمونہ نظر کے سامنے پہر جاتا ہے۔

عربوں کے زیر حکومت رہ کر مصر میں بھی بلحاظ اسکی تجارتی وقعت اور شان کے بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔

سائین کاروانی تجارت کے لچاٹا سے ایک مشہور دساوری مقام تھا۔

سٹیس اور ڈیمٹایہ دونوں مقام صنعت و حرفت کے اعتبار سے یکساں مشہور تھے۔

مشرق کو جب قدر قافلے جاتے تھے اُن سب کو پائیتخت فوسٹاٹ سے ہو کر گذرنا پڑتا

تھا اور یہ انتظام اس نظر سے کیا گیا تھا تاکہ پائیتخت کی تجارت میں ترقی اور رونق ہو

آخر کار یہ غرض پوری ہوئی اور شہر فوسٹاٹ مشرقی دولت و ثروت اور شان و شوکت

کا مرکز بن کر رہا۔ لیکن افسوس اور صد ہزار افسوس کہ ۱۶۷۷ء میں اسکی تمام ثروت اور

شوکت آتشزدگی کے ہاتھوں خاک میں مل گئی۔

سلسلی اور نیز دیگر گھاٹ سلسلی کے اُس خوشنما اور پرنسٹا جزیرے پر کہ جسکے جاڑے

میں عربوں کی تجارت - اور گرمیوں میں جدا جدا موسم بہار اور گلابی جاڑوں کا لطیف

تھا۔ عربوں کا قبضہ ۱۳۲۷ء سے لیکر ۱۹۰۹ء تک رہا ہے وہاں عربوں کی بود و باش

اگرچہ فاتحانہ حیثیت سے تھی مگر مفتوحین کے ساتھ اونکا رتنا و بالکل بے تکلفانہ اور مہربان

تھا۔ عربوں کی توجہ اور کوشش سے مصر کی رونی نیشکر اور فارس کی طباشیر بھی وہاں

۱۷۰۰ء پر یہ سلسلی - عربی زبان میں اسکا تلفظ صقلیہ ہے جکار قبہ تھینا دس ہزار میل پر ہے اور اسکا تمام رقبہ

غالباً سات اضلاع پر مشتمل ہے پھر اُنکے ایک ضلع ٹرایبی (نہمہ صقلیہ) ہے بیچم البلدان میں حالات صقلیہ

کے ذیل میں اس ضلع کی نسبت لکھا ہے کہ ابتدا کا ایک مشہور و معروف تاجران جو قل غرض تجارت جب اس ضلع میں پہنچا

ہے تو اس نے وہاں مسجد بن کی یہ کثرت پائی کہ توڑے ہی توڑے فاصلہ پراون کی شمار دس دس کے قریب تھا کہ

ہوتی تھی \*

جای عبرت ہے کہ اب اُس جگہ ایک متفس ہی ایسا نہیں ہے کہ جو مسلمان کے مبارک لقب سے یا کیا جا سکے ۱۲

بکثرت پیدا ہونے لگی تھی غلہ خصوصاً گھوٹ کی پیداوار کے لحاظ سے تو سسلی دنیا ہی  
قدیم کا کھیتہ ہی کہلا جاتا تھا۔ انگور۔ زیتون۔ اور نیز دوسرے قسم کے بہت سی میوے  
بھی وہاں بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ اُسکے معادن سے مختلف قسم کی معدنی خیزین  
بھی بافراط نکالی جاتی تھیں سسلی کے کشیدون اور تاش بادلون کی تو یہاں تک قدر  
تھی کہ شہنشاہان جرمن کی تاج پوشی کے موقع پر جرمنی میں انکی اکثر مانگ ہوتی تھی۔

عربوں کی تجارت کے متعلق اب تک جس قدر باتیں دریافت ہوئی ہیں ان سے عربوں  
کی اعلیٰ تہذیب اور شرافت نسل کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔

اُنکے تجارتی قوانین کفایت شعاری کے اصول کے گویا کیسے ہی خلاف کیون نہوتے  
تھے مگر ساتھ ہی اسکے وہ انسانی ہمدردی سے ذرا تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اشیاء  
مائع کی قیمت کی شرح اُنکے ہاں اکثر غریب اور کم استطاعت لوگوں کی حیثیت کو موافق  
مقرر کیا جاتی تھی۔ تاکہ اُنکی ضرورتیں اُنکی نہ رہیں۔

اُنہوں نے جہازوں پر مقدار میں سے زیادہ مال اسباب بار کرنا کی اسلئے سخت ممانعت  
کر رکھی تھی کہ کہیں طامع اور لالچی تجارت اپنے منافع کے لالچ میں جہازوں پر اس قدر اسباب  
لا دے لیجائیں کہ جبکہ باعث جہاز کو ٹوٹنے اور اُسکے آدمیوں کے ضائع ہونیکا خطرہ درپیش آئے  
عربوں کی بحری تجارت اس میں شک نہیں کہ بہت ہی بڑی ہوئی تھی مگر یہ بھی اُنکی کاروانی  
تجارت کے مقابلے میں وہ کسی شمار میں نہیں آسکتی۔

سمندر کی راہ سے سفر کرنے میں اگرچہ اُس طاقت اور قوت کی زیادہ تر ضرورت تھی کہ

جس سے اُنکے بزرگوں نے اُنکو پہلے سے بے نیاز کر کے نہیں رکھا تھا مگر تاہم فن  
جہاز رانی کی تھوڑی سی واقفیت پر بھی انہوں نے اپنے جان و مال سے بیخاطر ہو کر بحری  
تجارت کو جب قدر و وسعت اور ترقی دی تھی آج وہ بھی ہمارے لئے کچھ کم حیرت انگیز اور  
خالی از عبرت نہیں ہے۔

شرق میں عربی تاجروں کا ایک گروہ بحرے سے چل کر مسقط پہنچا وہاں اوسکو ایک  
طرف تو ہندوستان اور دوسری طرف افریقہ کے جنوبی اور شرقی سواحل نظر آئے  
اُس گروہ کے لوگ تجارت کی غرض سے ان دونوں ممالک میں پھیل گئے۔ چنانچہ  
افریقہ کے شرقی سواحل پر جب قدر مقامات ہیں وہ تقریباً کل کے کل عربی الاصل یعنی  
اونہیں لوگوں کے آباد کئے ہوئے ہیں۔

افریقہ کے اندرونی حصے کی باشندے سونا، شرمخ اور مور کے پرہن کی کمالین۔  
باقی دانت۔ عنبر۔ کپوے کے خول۔ ان مقامات پر لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔  
ہندوستان میں بھی اس قسم کے مقامات اول اول ساحل ملابار پر آباد کئے گئے  
تھے اور یہیں سے عربوں کی تجارت جزائر مالدیو۔ نکوبار۔ سرانڈیپ اور سائر کیسے دور  
و دراز ممالک میں پہنچتی تھی۔

چھین میں مسلمان عرب کی جماعت اول اول ۸۷۰ء میں پہنچی اور بڑی گرجوشتی کے  
ساتھ اُسکا استقبال کیا گیا۔ اور تجارتی کوٹھیاں کھولنے کی اوسکو اجازت دی گئی۔  
عربی تاجر کیس وغیرہ کی زرتون سے مستثنیٰ کئے گئے۔ اور اُنکے باہمی مقدمات اور



تنازعات کے فیصل کرنے کا حق بھی اودھین کے حاکمون اور قاضیوں کو دیا گیا۔  
 عربوں کے اس قسم کے چند ہی جہاز تھے کہ جنگوہین کے دور و دراز اور پرخطر سفر مند  
 میں جانے کی جرات ہونی تھی۔

واسکو ڈیگاماسے جو قسطنطنیہ کی گڈھوپ کی راہ دریافت کر کے ہندوستان کی  
 تجارت پر نگاہوں کے ہاتھ میں دی اوسوقت گویا عربوں کو پر نکال اور ہندوستانوں  
 کے درمیان بحیثیت یا گشتہ بنگرا سپرگزشتہ تجارتی شہرت اور عظمت از سر نو حاصل کر نیکا موقع  
 ہاتھ آیا۔ بحری سفروں میں عربوں کا دستور تھا کہ وہ تیرنے والی لکڑی کا ایک ٹکڑا اپنے  
 ساتھ رکھا کرتے تھے کہ جیسے ایک سوئی (سوزن) لگی رہتی تھی کہ جو ہر صورت اور  
 ہر حالت میں سمت شمال کو بتلاتی چلتی رہتی۔ اس آلہ کار و اجہین میں اب تک جاری ہے اور  
 یورپ کے جہازران جو قطب نما استعمال کرتے ہیں وہ بھی گویا اس کی ایک شایستہ  
 اور مہذب صورت ہے۔

اس مضمون سے ہماری یہ غرض اصلانہیں ہے کہ اپنے بزرگوں کی فارغ البالی اور  
 دولت و ثروت کو ہم اپنے لئے مایہ خزاور نا قرار دین بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسلمان جو تجارت  
 کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس سے انکے دلوں میں تجارت کی وقعت  
 و عظمت اور ترغیب و تحرص پیدا ہو۔ قَائِمٌ بِمَا أُولَى الْأَبْصَارِ۔

خاکسار

مجیب احمد متناقی

# بتعلف

صفحہ (۲۲) ششبر خواشی

## قصرۃ الحمراء

۲۰۰۳

قصرۃ الحمراء کی دلاویز خوبصورتی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جسوقت پڑے (مدینہ منورہ) فاتحین اسپین کے سلسلہ میں منسلک ہو کر غرناطہ پھنچا اور اس کی پلجائی ہوئی نظر قصرۃ الحمراء پر پڑی تو بیباقتہ اسکی زبان سے یہ نکلا قصرۃ الحمراء آہ اسپین کس غضب کی دلکشی پائی جاتی ہے! میرے خیال میں تو تمام روی زمین پر یہ ایک نظیر اور اثباتی عمارت ہے! اسلام کی ایک بوسیدہ یادگار کا ایک عیسائی کی آنکھ میں اس طرح کُتب جانا کہ وہ اسکو دیکھ کر بے اختیار ہو جائے بس بھی اسکی دلکشاؤں اور دلغریب نقشہ کا ایک کافی ثبوت اور بڑی دلیل ہے۔ قصرۃ الحمراء درحقیقت غرناطہ کے شاہان اسلام کا ایک قصر یا ایک عالیشان محل تہا رفتہ رفتہ اسپین وہ ایزاد اور ترقی ہوتی گئی کہ وہ قصرۃ الحمراء سے مدینۃ الحمراء معلوم ہونے لگا اسکے نام کے ماخذ اور اشتقاق کے بارہ میں عربی مؤرخین کا گرد و مختلف الراء اور متفرق البیان ہی چنانچہ بعض عربی مؤرخ تو کہتے ہیں کہ اسکا نام الحمراء اسکے رنگ کے اعتبار سے رکھا گیا تھا۔

اور بعض کا قول ہے کہ چونکہ اسکا بانی قوم حمیری میں سے تھا اسلئے اسکی مناسبت سے اسکا نام "الحمر" رکھا گیا ہے۔ عربی مؤرخین میں سے ایک مستند اور باوقار مؤرخ غناطہ کی اگلی سچ دیج اور وارفتہ حسن و جمال کا دلکش فوٹو ان لفظوں میں اتارتا ہے۔

یہاں ایسے ایسے طویل القامت برج اور منار۔ اور ایسے ایسے ناقابل التسخیر قلعے اور حصاے ایسے ایسے دلکش اور نظریہ قہر اور سر بفلک عمارتیں کھڑی نظر آتی ہیں کہ جبکہ دیکھنے سے دیکھنے والے کے دل میں بے اختیار اسکی عظمت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں اس کثرت سے آبشار گرتے اور چشمے بہتے ہیں کہ جبکی بلند آوازیں دُور و دراز کے فاصلہ سے اچھی طرح سُنائی دیتی ہیں اور انکی روانی لہلہاتے مرغزاروں اور ہر بہرے کھیتوں کو سیراب کرتی جاتی ہے غناطہ کے بیرونی شہر پناہ کے ارد گرد اس کثرت سے وسیع اور دلکش باغ پھولے پہلے نظر آتے ہیں کہ درختوں کی گنجائی سے اون پر خود رو بن اور جاڑیوں کا گمان گزرتا ہے۔ لیکن تاہم وہ اسقدر گنجان نہیں ہیں کہ جو قعرۃ الاحمر کے اُن سر بفلک مناروں اور گنبدوں کے خوشنما نظارہ کی فراہم ہوں کہ جو درختوں کے پتوں میں مثل آسمان کے تاروں کے جھللاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تم شہر غناطہ سے باہر اگر شمالی حصہ کی اُس بلندی پر ٹھیکہ دیکھو کہ جہاں سے ایک جانب تو غناطہ کا ہوش رُبا منظر تمام و کمال پیش نظر ہوتا ہے اور دوسری جانب مضافات غناطہ کا نظریہ جو بن آنکھوں میں کُسا جاتا ہے تو اب بھی تھکو قعرۃ الاحمر کی بوسیدہ اور شکستہ چار دیواری کے اندر قدیم صناعی کی بہت سی یادگاریں اور گزشتہ ترک و احتشام کی اکثر نشانیاں ایسی

دکھائی دینگی کہ جو اپنی پاکیزگی نفاست اور ندرت میں اگر زمانہ قدیم کی اور دوسری یادگاروں سے بڑھ چڑھ کر نہیں ہونگی تو اونکی برابری اور ہمسری تو ضرور ہی کرتی ہونگی قعرۃ الحرام کی وضع اور ساخت دو مختلف حصوں پر منقسم ہے۔

ایک حصہ تو اوسکاعرب کی عمارت کے نمونے پر ہے اور دوسرا اسپین کی عمارت کے طرز پر بنایا گیا ہے مگر انقلاب زمانہ سے دوسرا حصہ جو نامکمل رہ گیا تھا وہ اپنی تکمیل کو نہ پہنچنے کے غم میں اب غش پر غش کما کر فرش زمین لیٹا جاتا ہے۔

پہلے حصہ کے مکانات کچھ ایسی حکمت سے تعمیر کئے گئے تھے کہ وہ دیکھنے سے کمزور

کا ایک غیر منقطع سلسلہ معلوم ہوتے ہیں اور بحیثیت مجموعی ایک ہی سطح پر کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں وسط عمارت کے فوارہ کی اوڑتی ہوئی آن نہی تھی پھواروں میں کہ جو اس عمارت میں داخل ہونے والوں کے استقبال اور خیر مقدم کے لئے اوڑھکے قدروں پر گرتی رہتی تھیں۔ بال کا سارا حصہ برآمدے اور خوش تراش قوسیں اعلیٰ درجہ کے فریخیم سے آراستہ و پیراستہ دیکھی جاتی تھیں جس وقت آنکھوں کے سامنے یہ جلوہ نظر آتا تھا تو گویا ایک طلسم کا کارخانہ یا خواب کا سامان آنکھوں میں سما جاتا تھا جس طرف نظر اٹھتی تھی اُسی طرف فواروں کی تہی تھی پھواروں میں والان۔ برآمدے۔ کمانیں اور ستون قسم قسم کے درختوں سے شاداب اور رنگ برنگ کے پھولوں سے گلزار بنے ہوئے نظر آتے تھے۔

اس قعر کے ہر ایک گوشہ اور ہر ایک مکان میں پانی کثرت کے ساتھ اس حکمت سے

پھنچا یا گیا تھا کہ اوس پر طرح کا قابو تھا یعنی حسب مرضی اور حسب خواہش اوسکو بلندی پر پھنچا سکتے اور پستی میں بھی لاسکتے تھے۔ جب چاہتے وہ نظر آنے لگتا اور جب چاہتے اُسکو نظرون سے غائب کر سکتے تھے۔

بعض وقت ایسا ہوتا تھا کہ پانی کا فوارہ بلند کر کے ہوا میں اس غرض سے چوڑا جاتا تھا کہ وہ بخارات کثیف جو ہوا میں اُڑتے پراکرتے ہیں وہ منتشر ہو کر نکل جائیں اور ہوا کی گرمی اور خشکی مبدل بہ تراوت و سردی ہو جائے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایوان میں پانی کی سطح اور سفید چادر چوڑی جاتی تھی کہ جس میں ارد گرد کی چیزیں اور آسمان کا نیلا نیلا مطلع سائے نکل ہو کر عجیب غریب رونق اور دلکشی پیدا ہو جاتی تھی۔

ہر ایک کمرہ میں ہوا کے دود و جو کے ہمیشہ جاری و ساری رکھے جاتے تھے اور چھت کے قریب سبکی دیواروں میں اس غرض سے جہر کے رکھے گئے تھے کہ انکے ذریعہ سے وہ گرم گرم بادِ سموم کہ جسکو اندر کے حصہ کی خالص لطیف ہوا اپنے زور سے اوپر کو دفع کرتی رہتی تھی فوراً نکل جائے۔ دیواروں میں جابجا مٹی کے نل دوڑائے گئے تھے اور انکے ذریعے سے اُن بھٹیوں اور آتش افروز کی گرمی کہ جو جو زمین میں روشن کی جاتی تھیں صرف حماموں ہی میں نہیں بلکہ مکان کے ہر ایک حصہ میں کہ جہاں حرارت کی سیکدر ضرورت پڑتی تھی وہاں پھنچائی جاتی تھی۔

گو اُس قہر میں دروازے کثرت سے کھلے ہوئے نہیں تھے لیکن جسقدر تھمے نہایت فراخ اور وسیع تھے بہ اشتراک اُس حصہ کے کہ جہاں ایک نہایت ہی پُر فضا اور دلچسپ

پھاڑی کی جانب تھا باقی قصر میں کٹر کیان اور جہر کے اس حکمت سے کہو لے گئے تھے کہ جن میں سوائے اندرونی منظر کے باہر کا منظر نظر نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ اس کی وجہ چند مکروں کے دروازوں کے کتبوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ جن میں لکھا ہوا ہے "میں اپنی کٹر کیوں میں صرف روشنی ہی کو داخل ہونے کی اجازت دیتا ہوں اور باہر کے منظر کو اس لئے اندر نہیں جانے دیتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بزمِ سخن کے حسینوں کا جبرٹ یعنی قدرتی چیزوں کا سامان لوگوں کو میری صنعتکاری کی خوبصورتی سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لے۔

بارٹ لیٹ (Barthelme) کہتا ہے کہ ایک روز شب یا ہتاب میں ہم ٹرگشت کرتے پھرتے تھے کہ اسی موقع پر ہم نے قصرۃ الحمراء کی دلفریب خوبصورتی اور اس کی سحر کاریاں ملاحظہ کیں۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ اس وقت کا سامان بھی قابل دید تھا جو نوجوان ہم اس کی چیرست درو دیوار کو حیرت اور تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے تو ہماری آنکھوں کے سامنے اُن بڑے بڑے عمارتوں کی مجسم صورتیں پہنچ جاتی تھیں کہ جو اس قصر کے بانی اور مشاطہ کی طرح اس کو زینت و زینت دینے والے تھے اور اُن کے اگلے جاہ و جلال کا ایک نقشہ تھا کہ خود بخود دھارے صفحہ خیال کھینچ چلا جاتا تھا۔ چاند کی چاندنی درختوں اور دیواروں کے سایہ سے ملکر عجیب لطف پیدا کر رہی تھی۔ سنان اور وسیع مکروں میں بلا کاٹا تھا۔

عبون کے سرفک محل بد اقبالی کی نیند میں خواب عدم کا مزہ لوٹ رہے تھے۔ اور چاندنی کی زردی مائل چاندروں پر ٹپھی تھی اس کے قرب جوار میں ہکو ویکا (Wega)

کا وسیع منظر اور پہاڑی کے غیر منقطع سلسلے چاند کی تہہ چاندنی مین کچھ کچھ دکھائی دے  
 رہے تھے۔ اسکے بعد اب ہم سوہاں بحیرہ روم کے ایک ذی وقار اور مستند مصنف کا قول  
 بھی قصرۃ الحمرا کے بیان میں بطور شہادت درج ذیل کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ موسم گرما کی  
 آرام اور آب و ہوا کے لحاظ سے دنیا کے تختہ پر قصرۃ الحمرا سے بڑھ کر کوئی اور جگہ نہیں  
 مل سکتی مین نے وینڈر کیٹل (Wonders or castle) شاہان انگلینڈ کے آرام پانے  
 کے بڑے بڑے مکلف کر دیئے ہیں بعد تاریخ اور تفاوت قومیت پر نظر کرتے ہوئے  
 یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں کہ نہایت عرب زمانہ حال کے شاہان برطانیہ کے ہر قسم کے تکلفات  
 اور آرائشات مین کسی طرح کم نہیں تھے اگر اب سے چار سو پانسو برس قبل قصرۃ الحمرا کی آرائش  
 اور فرنیچر ہم نظر کرتے ہیں تو او مین صندل - اور زیت کی قیمتی لکڑیاں - ہاتھی دانت اور  
 درہائے شہسوار کی پچھے کاریاں اور مینا کا کام - زرم زرم غلیچے قیمتی پردے اور عجیب  
 غریب صنعتکاری کے بیشمار نمونے اور نہایت نادیکھل کھلونے متعدد حمام - اور ہزاروں  
 طرح کے آرائشی سامان اور اس محل کے پہننے والے لوگ ریشمی لباس اور جڑاؤ زیورات  
 سے آراستہ پراسۃ نظر آتے ہیں اور جب اس کے اس ترک و احتشام کے ساتھ سلطنت  
 برطانیہ کے اس زمانہ کے بادشاہوں اور مملوکوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو ان دونوں مین  
 کچھ بھی نسبت نہیں پائی جاتی۔

اس سے کچھ اور بھی قبل کے زمانہ پر اگر نظر پھرا کر دیکھا جائے تو وینڈر کیٹل مین گما سٹینس  
 اور پیل کا فرش بچا ہوا نظر آتا ہے اور قصرۃ الحمرا مین اس کے سنگ مرمر کے نہایت صفا

شفاف فرش پر اعلیٰ اعلیٰ قائلین اور غایہ لچے بچھے ہوئے ملتے ہیں۔ اسپین کی سلطنت اسلامیہ کا پایہ انگلستان اور یورپ کی عیسائی سلطنتوں سے صرف اتھیں باتوں میں برتر اور بلند نہیں بلکہ اوسمیں ایک اور بھی اعلیٰ درجہ کا تفوق اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ اور وہ اس کا علم و فضل یعنی ادب حکمت الغرض ہر طرح کا کمال ہے چنانچہ دسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کا اعلیٰ جاہ و جلال اس رتبہ کو پہنچ گیا تھا کہ سلطنت اسپین میں ایک مسلمان بادشاہ کی سرپرستی اور اشارہ سے چھ لاکھ کتابوں کا ایک کتب خانہ قائم ہو گیا تھا صرف قرطبہ میں مدارس کی تعداد شمار میں ۸۴ تھے اور یورپ کے مسیحی حصہ کے بڑے بڑے عالم و فاضل لوگ علمی مجمع حاصل کر نیلے لئے عربوں کے مدارس میں طالب علمی کرتے نظر آتے تھے۔

قصہ مختصر قدامت کی کوئی چیز عربوں کے فضل و کمال سے برتر نہیں تھی عربوں کے مورخین فلاسفوں اور شاعروں کی افراط شہرہ آفاق تھی اسی زمانہ میں خاندان سیکسن کا اخیر بادشاہ سریر انگلستان پر بیٹھا ہوا بقول مورخ ہیوم اون لوگوں کا حاکم اور فرمانبردار تھا کہ جو بالکل ناشایستہ اور غیر مہذب اور آلات و اوزار کے استعمال سے بالکل ناملک اور گورنمنٹ و قانون کی اطاعت و متابعت سے روگردان تھے جبکہ انگلستان اور نیز تمام یورپ کی یہ حالت تھی اسی زمانہ میں نام خدا صرف ایک قرطبہ ہی اس شان و شوکت کا شہر تھا کہ اوسمیں چھ سو مساجد پائی جاتی تھیں اور قصر شاہی کیا تھا گویا ایک بڑا درگاہ تھا کہ جس میں تمام اقوام کے طلبہ کا جگہ لگا رہتا تھا اور بادشاہ یعنی خلیفہ وقت



بہنص نفیس اُنکے علمی مجالس اور مباحث میں فرط شوق کے ساتھ شرکت کرتا تھا اسکے  
 کچھ زمانہ کے بعد جبکہ ایڈورڈ اول تخت انگلینڈ پر جلوہ گر ہوا تو صرف ایک شہر غرناطہ  
 میں اسلامی کا بون کی شمار چاس تھی اور کل سلطنت اسپین میں ستر کتب خانوں  
 سے کم نہیں تھے۔

یورپ کے مسیحی حصہ میں اس وقت بلحاظ علم و ثبات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی قریل میں ہم  
 دانش گنڈن ارونک کی کتاب سے وہ مقام نقل کرتے ہیں۔  
 جو تمام کتاب کی روح اور جان ہے وہ کتاب ہے کہ مجھ کو عربوں کی قسمت پر تعجب آتا ہے  
 کہ جبکہ وجود تاریخ اسپین میں ایک اعجوبہ تھا۔ عرب کے دور دراز ممالک کا سیلاب یورپ  
 کے سوا اعلیٰ پرکار ٹکرایا۔ عربوں نے جبل الطارق سے لیکر پی ری تیر تک جو فتح حاصل کی  
 تھی وہ سرعت اور عظمت میں فتح نصر اور فتح شام سے کی طرح کم نہیں تھی بلکہ اگر وہ اُس مرتبہ  
 طورس پر روکنے سے جانتے تو قرآنس کیا تمام یورپ ہی اُنکے قبضہ اختیار میں آگیا ہوتا اور  
 آج اسلامی ہلال قسطنطنیہ کی طرح پیرس اور لندن میں تابان نظر آتا۔

اگر اسپین میں قرطبہ کی مسجد۔ سویل کا القصر۔ غرناطہ کا قصر الاحمر اسلامی یادگارین  
 ہوئے کیوجہ سے اپنی گذشتہ سطوت اور عظمت کا دعویٰ کرتی ہیں تو حق بجانب ہے  
 حیرت اور تعجب کا کوئی مقام نہیں کیے بعد دیگرے صد ہا نسلیں اور کتنی ہی صدیاں گذر  
 چکی ہیں اور یہ عمارتیں استقلال کے ساتھ دست برد زمانہ کے حلون سے بچتی ہوئی اُسی  
 سطح زمین پر اب تک قابض و مسلط کھڑی ہیں کہ جبرائیل کے بانوین نے اُنکو قائم کیا تھا۔

موسیٰ اور طارق کی اولاد کو شاید کبھی اس بات کا خیال بھی نہ گذرا ہوگا کہ جس آبنائے کو عبور کر کے ہمارے بزرگ اسپین میں آئے تھے اسکے ذریعہ سے ہمارے خانان ہو کر نکلتا پڑے گا۔ جیسا کہ ولیم اور راکو کی اولاد کو کبھی خواب میں بھی یہ دہم نہیں گذرا تھا کہ ہمارے نارمنڈی کے سواحل پر پہرہاگ کر جانا اور پتاہ گزین ہونا ہے۔

سچ تو یوں ہے کہ جیسی تباہی اسپین کے عربوں پر آئی ہے ایسی شاید کسی قوم پر آئی ہو۔ آہ اب وہ لوگ کہاں ہیں۔ اس سوال کا جواب اگر کچھ دیکھتے ہیں تو سوال بربر یا اسکے وسیع اور ویرانہ جنگل ہی دیکھتے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ جو قوم ایک زمانہ میں اس سطوت اور جبروت کے ساتھ اسپین میں حکومت کرتی تھی اب زوال سلطنت پر افریقہ کے وحشی لوگوں میں رمل ٹکرا اپنی قومی خصوصیت کو کھو بیٹھے۔ جو قوم آٹھ صدیوں تک دنیا بھر میں ممتاز اور مغتر رہی ہے اب اُس کا یہ حال ہے کہ برائے نام بھی اسکی کوئی تمیز باقی نہیں۔ ہاں چند ٹوٹی پھوٹی عمارتیں ہیں کہ جو عربوں کے گذشتہ جاہ و جلال اور مال و منال کی کٹری شہادت دے رہی ہیں۔ انھیں میں سے ایک عمارت قصر الاحمر بھی ہے کہ جو سچی زمین پر بطور مسلمانوں کی یادگار دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایک شرقی طرز کی عمارت ہے کہ جو مغربی ممالک میں گاتھک عمارتوں کے درمیان عجیب غریب معلوم ہوتی ہے۔ آہ! یہ اسپین میں ان بہادر اور دلیر لوگوں کی یادگار ہے کہ جو فاتح بن کر آئے حاکم بن کر رہے اور سایہ کی طرح گذر گئے!!!

## المسجد فی القرطبہ

فتح اسپین کے بعد مسلمانوں کی دار الخلافۃ بننے کی اول اول عورت قرطبہ کو چل ہوئی  
 ہے مسلمانوں کے زیر حکومت رہ کر اسلام کے پر تو سے جو اسکو عزت اور شہرت نصیب  
 ہوئی تھی شاید وہ اسکو کبھی نصیب نہ ہو مسلمانوں کی مشہور فراخ دلی اور سلمہ ملیند جو صلگی  
 نے اپنے عروج کے زمانہ میں اسکو اس رتبہ پر پہنچا دیا تھا کہ دنیا کی کسی سلطنت میں کوئی  
 شہر اسکے ہم شل یا ہم رتبہ نہیں دیکھا جاتا تھا جسوقت اسلام یورپ میں برقی طاقت سے  
 پھیلتا جا رہا تھا۔ اسوقت قرطبہ میں سولہ سو مسجدیں شان و شوکت کے ساتھ کھڑی اسلام  
 کی رونق کو ظاہر کر رہی تھیں اور دس لاکھ آدمی تھے کہ جو پانچون وقت موزن کی درونک  
 اور پرتاثر آواز پر کان لگا دے رہتے تھے۔ اسکے گزشتہ جاہ و جلال اور وارفتہ شان و  
 شکوہ کی شہادت دینے کو ابھی تک اسکا وہ وسیع میدان موجود ہے کہ جو ایک دو درواز  
 تک پہنچتی ہوئی چار دیواری میں محدود ہے اور اثبات شہادت کے لئے چند ویران باغ  
 کہیں کہیں کھجورون کے جھنڈ اور ایک عالیشان مسجد کے نشانات پیش کر رہا ہے۔  
 یہ مسجد باعتبار صنعت و معاری اور وسعت اپنی آپ ہی نظیر تھی اور عجائبات دنیا میں سے  
 شمار کیجاتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسکے عالی حوصلہ اور فیاض بانی نے اپنی فیاضی کو  
 سب سے زیادہ اس مسجد ہی کی تعمیر میں صرف کیا تھا۔

دنیا کے جس حصہ پر اُس نے نامور صنائع سے فراخ دلی اور حسرتی کے ساتھ ادبھین کو  
اُس نے بلایا اور جب دیکھا اُن سے مسجد کی عمارت کا کام لیا۔

اس نامی گرامی مسجد کا کام سترہ عین شرف کیا گیا تھا۔ اس مبارک عمارت کے لئے وہ  
جگہ پسند کی گئی تھی کہ جو کس قدر رفیع وسیع لیکن اُسکے ساتھ ہی اوس قدر ناہموار بھی تھی۔ اُس کی  
ایک جانب دریائے گوڈالگوڈر (Godalgunder) کے کنارہ تک پھیلی ہوئی  
تھی۔ موجودہ حالت میں اوس کا بیرونی نظریہ ایسا کچھ تعجب اور حیرت برین ڈالنے والا نہیں  
ہے وہ دور تک چاروں طرف گلی کو چون سے محصور ہے لیکن اگر کوئی اجنبی شخص اُس کے  
اُنیس عالیشان دروازوں میں سے کسی ایک دروازہ میں کھڑا ہو کر اُسکے اندرونی نظر  
کی طرف نظر کرتا ہے تو وہ اُسکے بشمار ستونوں کو جو بھول بھلیان کے طور پر کھڑے کئے  
گئے ہیں دیکھ کر حیران اور دنگ رہ جاتا ہے جس طرف اُسکی نظر پڑتی ہے اُسی طرف اُسکو  
ستونوں کی قطار کی قطار نظر آتی ہے اگر دیکھنے والا ستونوں کو شمار کر کے ادنیٰ صحیح صحیح  
تعداد معلوم کرنا چاہے تو یہ اُسکی طاقت سے باہر ہے۔

الغرض ستونوں کی ایسی نادر اور حیرت انگیز ترتیب ہے کہ اُسکی وجہ سے دیکھنے والے کی  
آنکھوں کے سامنے ہمیشہ بدلتے ہوئے اور تعجب خیز عین رہتے ہیں۔ قرطبہ کی وہ مقدس  
زمین کہ جسکو خانہ خدا بننے کی عزت اور فخر حاصل ہوا تھا وہ ایک بہت وسیع مربع قطع تھا  
اُسکے نہایت عالیشان سترہ دروازہ تھے اور وہ سب کے سب اعلیٰ صنائع کے پتیل کے

بزوں سے بڑے ہوئے تھے۔ اس سجدہ کے ستون تعمیر کرنے میں مہارون نے  
 اپنی اعلیٰ صناعی دکانی تھی۔ ان ستونوں کی انیس قطاریں ہیں کہ جو شمال سے جنوب  
 و بالکل ایک سیدھے خط میں چلی گئی ہیں۔

وہ کچھ ایسی نادرجعت کے ساتھ ایک دوسرے سے فاصلہ پر ایسا وہ کئے گئے  
 ہیں کہ اگر دیکھنے والا انکو جانب شرق کھڑے ہو کر غرب رو یہ دیکھے تو وہی انیس قطاریں  
 سکوشمار میں پستیں نظر آئے لگتی ہیں۔ قطاروں سے قطع نظر کے ستونوں کی ٹھیک  
 ٹھیک شمار کسی سے نہیں ہو سکتی جن میں سیاحوں کو اسکی زیارت سے مشرف ہونے کا  
 اتفاق ہوا ہے وہ بھی ستونوں کی تعداد کے بارے میں مختلف ارے ہیں چنانچہ انکی  
 تعداد کسی نے چار سو اور کسی نے چودہ سو بیان کی ہے۔

ایک معتبر عربی مورخ اپنی مستند تاریخ میں اس عظیم الشان مسجد کا نو ٹواؤں لفظوں میں اُتارتا  
 ہے کہ اعلیٰ رفعت مسجد بلحاظ اپنے نظائر عمارت اور شان و شکوہ کے ممالک مغربہ میں تو  
 بے نظیر تھی ہی لیکن ممالک مشرقیہ میں بھی کوئی اسلامی سلطنت اسکی شبیہ یا ہم قیاس مسجد  
 نہیں پیش کر سکتی یا پانڈان مذہب اسلام کے خیر مقدم کے لئے اس میں بڑے بڑے کھائیں  
 پہانگ کئے ہوئے تھے جنہیں سے صدر پہانگ تمام و کمال مطابقت اور وازوں سے  
 معتبر تک برابر برابر انیس صفیں چلی گئی تھیں۔ ان صفوں کے ادھر ادھر مختلف عمارت کے ستون  
 اعلیٰ درجہ کی صنعت کے نقش و نگار سے آراستہ و پیراستہ کھڑے ہوئے مسجد کے سن کو  
 ابھار رہے تھے ان صفوں کو تقاطع کرتی ہوئیں شرق سے غرب کو انیس صفیں اور گئیں

تھیں اور اودن ہر ایک میں نو نو دروائے کھلے ہوئے تھے۔ یہ ستون شمار میں لکھنا  
 ترانوے تھے۔ اگرچہ جس کے قول کے موافق اسکے اُس منار کی بلندی کہ چھ سو پچھتر  
 سون ازان دیا کرتا تھا دو سو چالیس فٹ تھی سب گنبدوں میں جو سربلند گنبد تھا اُسکی  
 چوٹی پر تین طلائی کڑے اور اُن پر قرینہ کے ساتھ ایک طلائی اناریہ سب آفتاب کے  
 شعاعوں میں چمک چمک کر اسلامی جاہ و ثروت کو ظاہر کر رہے تھے رات کی وقت مسجد  
 میں چار ہزار سات سو بار وفاتوس روشن ہوتے تھے جنہیں سالانہ پوبیس ہزار رطل  
 تیل صرف ہوتا تھا مسجد کو معطر کرنے کی غرض سے عود و لوبان اس کثرت سے پہنکا  
 جاتا تھا کہ اُسکی سالانہ مقدار بھی ایک سو بیس رطل سے کم نہیں ہوتی تھی۔

ستون جھاکار زمانہ کے دست برد سے بچتے بچتے اب شمار میں صرف چھ سو تیس رہ گئے  
 ہیں جنہیں سے کچھ تو سنگ مرمر اور کچھ سنگ موتی اور کچھ اور دوسرے نہایت قیمتی  
 قیمتی اجارے تراشکر اور رنگ برنگ کی گلکاری سے سجاکر مسجد کی زیب و زینت  
 کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں۔

اگر اضافہ کی نظر سے دیکھا جائے تو کسی طرح اُس کثیر رقم کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ جو  
 اُسکی تعمیر میں صرف ہوئی تھی۔ علی الخصوص ستونوں کی وہ قطاریں کہ جو نمازیوں کی طرح  
 مسجد میں صف باندھے کھڑے ہیں وہ ایسی خوشنما اور پر لطف ہیں کہ دیکھنے سے تعلق  
 رکھتی ہیں۔ جب قدر دیکھنے والا فردا فردا ستون کی خوبصورتی اور زاکت کو دیکھ کر تعجب  
 حیران ہوتا ہے اسی قدر اُسکو اُنکی مجموعی تعداد کو دیکھ کر حیران ہونا پڑتا ہے۔

مسجد میں ہر وقت ایک سنجیدہ آدمی کی طرح سکوت طاری رہتا ہے اور ہلکی ہلکی تاریکی چھائی ہوئی رہتی ہے۔ کہیں کہیں روشندان اور جہرو کے کسلے ہوئے ہیں کہ جنہیں سے آفتاب کی دھیمی دھیمی روشنی پھنپھتی رہتی ہے۔ مسجد کی سقف چوبیس بھی بلحاظ ساخت اسکی اور دوسری عجیب صنعتوں سے کچھ کم حیرت ناک نہیں ہے۔ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں دریائے اُس کنارہ پر ایک بڑا لٹو و دو ق جنگل تھا مسجد کی تعمیر میں جس قدر لکڑیاں صرف میں آئیں ہیں وہ اسی جنگل میں سے لائی گئی تھیں۔ غرض اس کثرت سے مسجد میں لکڑیاں صرف ہوئی ہیں کہ اب اس بادیہ بے پایاں کا نشان تک باقی نہیں ہے۔

اُن لکڑیوں کو کچھ ایسے مصالحہ دے دیا کہ استعمال میں لایا گیا تھا کہ ابھی تک وہ اُسی طرح پر ہیں اور ان میں کہیں بھی بوسیدگی یا شکستگی کے آثار نہیں پائے جاتے۔ یہ قدرتی اسباب تھے کہ مسجد کے لئے ایک خاص قسم کی صنوبر کی لکڑی ہاتھ لگ گئی کہ جس میں ایک عجیب طرح کی جھلک آتی ہے جو اور دوسرے ملک کے صنوبر میں نہیں پائی جاتی۔ شہتیر اور لکڑیاں قسم قسم کے نقش و نگار سے آراستہ و پیراستہ کی گئی ہیں جہاں کہیں دیواریں زمانہ کے منحوس ہاتھ سے محفوظ اور اپنی اصلی حالت پر برقرار ہیں وہاں جا بجا مقدس قرآن کی دلکش آیتیں گلکاری میں لکھی ہوئی دیکھنے والوں کو اس زمانہ کی نقاشی کی داد دینے پر مجبور کر رہی ہیں۔

”عبادت خانہ“ نبوی باعتبار خوبصورتی مسجد کے اور دوسرے قطعوں سے کہیں زیادہ

دلاؤں پر ہے۔ علاوہ اسکے تین اور قطعات ہیں کہ جو خاص مسجد کی عمارت سے رنگ مٹی اور سنگ مرمر کے ستونوں کے ذریعہ سے علیحدہ کئے گئے ہیں اور مین سے جو قطعہ وسط میں واقع ہے وہ بلحاظ وسعت و رفعت و فضا دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اسکی دیوار میں ایک کمان کھلی ہوئی ہے کہ جس میں اگر گدڑ مسجد کے اندرونی حصہ میں داخل ہونا ہوتا ہے۔ اس کمان پر سبز ٹیساہ اور سفید شیخ رنگوں کے پتھروں اور بلور کا کام کیا گیا ہے۔ اور اسکی پیشانی پر سونے کے حرفوں میں جلی قلم سے قرآن مطہر کی مبارک اور مقدس آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس کمان کے اوپر ایک بلند دیوار کھڑی کی گئی ہے۔ کہ جو کمان سے اوٹھ کر چیت کو چھو آتی ہے۔ اس پر مٹلا نقش و نگار کر کے اسکو نظر فریب صورت بنایا گیا ہے۔ اس میں بجا بجا روشندان اور جبرو کے کچے کئے ہیں کہ جنکے ذریعہ سے ہوا اور ہلکی ہلکی روشنی اندر کے حصہ میں پھنچتی رہتی ہے اس کمان کے اندر ایک مشن حجرہ کہ جو بلندی اور وسعت میں پندرہ فٹ ہی تعمیر کیا گیا ہے اور اسکی دیواروں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کمان اور ستون بنائے گئے ہیں۔ اور اسکی چیت صاف و شفاف سنگ مرمر کے ایک ٹکڑے سے تراشی گئی ہے۔

یہ حجرہ مقصورہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس میں صرف قرآن شریف رکھے جاتے تھے۔ جو وقت اس میں چاندی کا بیش قیمت اور بہت بڑا جواہر کہ جو اسکی چیت کے وسط میں لٹکا ہوا تھا وہ روشن کیا جاتا تھا۔ اسوقت اسکی دل فریب خوبصورتی اسکو



بڑھی ہوئی ہوتی تھی کہ اس کے مقابلہ میں ہمارے خیال میں کوئی ایشیائی ٹیپ ٹاپ بھی نہیں سما سکتی تھی۔ مسجد کے متعلق ایک چمن بھی تھا جس میں اکثر بزرگی اور چکوترے کی درخت تھے اس کا عالیشان دروازہ باسٹھ ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔

اس میں ایک لمبا چڑا حوض بنا ہوا تھا کہ جس سے درختوں کو پانی دیا جاتا تھا۔ حوض کے علاوہ چند چشمے اور فوارے بھی آبپاری کو موجود تھے چشموں کا فرش سنگ مرمر سے بنا ہوا تھا۔ سفید سفید سنگ مرمر پر پانی کی صاف شفاف دھارا نکلوانے میں عجیب لطف پیدا کرتی تھی۔ اور ان میں طلائی اور نقرئی مچھلیاں عجیب میں کھلاتی رہتی تھیں مسجد کا صدر دروازہ اسی چمن میں کھلا ہوا تھا۔

نمازی لوگ چمن میں سے وضو کر کے اس دروازہ میں رہنہ پا داخل ہوتے تھے۔ اس دروازہ کے مقابل چمن میں داخل ہونے کے لئے بھی ایک عالیشان کمان بنی ہوئی تھی کہ جو بلندی میں تیس فٹ اور عرض میں پندرہ فٹ تھی یہ ”باب الغفو“ کے دیکش لقب سے مشہور تھی کمان کی پیشانی پر چلی قلم سے قرآن پاک کی یہ آیت مبارک لکھی ہوئی تھی۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى“ اور اس کمان پر ایک مربع بنار تین سو فٹ کے قریب بلند ایسا دہ کیا گیا تھا۔ جو دور دور تک قرطبہ میں اسلام کا اثر ظاہر کر رہا تھا۔ زمانہ کے اولٹ پیر سے جب اسپین کی سلطنت تہ دہلا ہوئی تھی اس وقت وہاں کے فرمانروا مسیحی سلطنت نے چارلس پنجم کے زمانہ میں اس مسجد

کو کلیسا قرار دے کر بجائے توحید کے تثلیث کا پہرہ یا بلند کیا اور بجائے مہر کے  
کوڑ (Choir) قائم کیا۔

کچھ ہی ہو مگر عام طور پر اب تک یہ عمارت مسجد کے پرانے نقبے ہی یاد کیجاتی ہیں۔  
آہ کسی نے کیا دل خراش شعر کہا ہے ۵

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

زمین چین گل کھلاتی ہے کیا کیا



## قصۃ الزہرہ



مصافات قرطبہ میں دریاے وادی البکیر کے کنارہ خلیفہ عبدالرحمن ثالث نے اپنی  
 بیٹی اور بیٹی بی بی زہرہ کی فرمائش سے قصۃ الزہرہ اور مدینۃ الزہرہ بڑے شوق و  
 وق کے ساتھ تعمیر کرائے تھے۔

بیس میدان میں یہ عظیم المثل عمارتیں اوٹھائی گئیں تھیں وہ جبل العروس کے دامن  
 بن کو سون تک پہنچا ہوا اپنی سرسبز اور شادابی کی بہار دکھلا رہا تھا۔ قصۃ الزہرہ  
 لی بنیاد خلیفہ عبدالرحمن ناصر الدین الدک کے ہاتھ سے ۳۲۵ھ میں پڑی تھی۔  
 عبدالرحمن نے اس تعمیر میں اپنی فراخ دلی اور عالی حوصلگی سے یہاں تک کام لیا تھا  
 کہ ہر سال وہ اپنی کل آمدنی کا ایک ثلث حصہ اس میں صرف کر دیتا تھا۔ قصر کے گرد  
 دوسرے متعلقین اور درباری لوگوں کی ضرورت سے مدینۃ الزہرہ کی عمارتیں بنائی  
 گئیں تھیں۔ قصۃ الزہرہ اور مدینۃ الزہرہ کی عمارتوں کی تعمیر چالیس برس کے عرصہ میں ہوئی تھی  
 جس میں سے پچیس سال تو عبدالرحمن کی عہد حکومت کے تھے اور باقی پندرہ سال  
 اسکے بیٹے حکم نے اپنے زمانہ حکمرانی سے اسکی تدرکئے تھے۔ اس تعمیر کے کام میں  
 دس ہزار مزدور دن کی روزانہ مدد لگی رہتی تھی۔

ہر روز چھ ہزار پتھر گڑاؤ ترش کر تعمیر میں صرف ہوتے تھے۔ تین ہزار کے قریب بار برداری کے جانور تعمیر کے موقع پر مصالح بہم پہنچانے کی غرض سے روزمرہ کام دیتے تھے۔ اس عالیشان عمارت میں چار ہزار ستون نصب کئے گئے تھے کہ چوبہشتاہ قسطنطینیہ یاروم کا رتھج۔ سفاکس اور نیز دوسرے مقامات سے خلیفہ کی خدمت میں بطور تحفہ حاضر کئے گئے تھے۔

ٹانگو نہ اور المیرہ کے معاون سے جو سنگ مرمر کی سلین ترشکرتونون کے کام میں لائی جاتی تھیں اون کی تعداد علیحدہ تھی پندرہ ہزار آہنی دروازے کہ جن پر پتیل کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں جا بجا لگائے گئے تھے۔

قصر الزہرہ میں خلیفہ کے خاص کمرے میں کہ ”جو مونس“ کے نام سے ملقب تھا تمام در و دیوار یہاں تک کہ چیت بھی سنگ مرمر ہی سے بنائی گئی تھی اور اس پر جا بجا طلائی کام کیا گیا تھا اس کمرے کے وسط میں وہ عجیب و غریب فوارہ بھی نصب تھا کہ جو شہنشاہ یونان نے منع ایک نے نظیر اور بیش بہا موتی کے خلیفہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کش کیا تھا۔

علاوہ ازیں اسی ہال کے بیچون بیچ ایک چھوٹی سی حوض بھی بنی ہوئی تھی کہ جس میں پارہ بہا ہوا تھا۔ اسکے دونوں جانب آٹھ دروازے کھلے ہوئے تھے کہ جو جاتی دانت اور آبنوسی لکڑی سے بنائے گئے تھے اور جواہرات کے جڑے جڑے جانے سے آسمان کے ستاروں کی طرح جگمگاتے تھے جب سورج کی شعاعیں دروازوں سے

گذر کر سیاب کے حوض پر پڑتی تھیں تو سیاب میں سورج کی چمک ایسی جھلکتی تھی کہ اس سے بجلی کی ترپ اور کوند کا سامان آنکھوں میں پر جاتا تھا اس کی بجلی تمام کہہ کو بقیہ نور بنا دیتی تھی یہاں تک کہ حاضرین دربار کی آنکھیں اس قہر پھینک کر کہیں کھلی نہیں رہ سکتی تھیں ایک عربی موعظ کہتا ہے کہ ”اگر ہم مدینۃ الزہرہ کی صرف قدرتی اور معمولی خوبصورتیاں اور دلاویزیاں بھی شمار کر فیٹھیں تو اون کے بیان اور شمار کرنے کے لئے ایک بہت بڑا دفتر چاہئے۔“

ایک دوسرا موعظ اسی کا ہزر بان ہو کر کہتا ہے کہ مدینۃ الزہرہ میں حاحون کے رہنے کے لئے سرسبز اور شاداب باغوں میں نہایت شاندار عمارتیں بنی ہوئی تھیں کہ جن میں صاف اور شفاف پانی کے چشمے روان اور دو ان رہتے تھے سلطنت کے اراکین اور اعلیٰ عہدہ داروں کی سکونت کے لئے بڑے بڑے قصر اور محل نہایت آراستہ اور پیراستہ رہتے تھے۔ سپاہ اور خداموں کے غول کے غول کہ جو مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے ہوتے تھے بیشمی لباس زیب تن کے مدینۃ الزہرہ کی وسیع اور فراخ سڑکوں پر چلتے پرتے نظر آتے تھے۔ اور قصر شاہی کے بڑے عالی عالیشان کمروں میں علمدار دین قاضیوں مفتیوں۔ اور شاعروں کا گروہ کا گروہ ایک موزون اور مناسبتات کے ساتھ ٹلنا دکھائی دیتا تھا۔ قصر الزہرہ میں خدامان ذکر کی تعداد تیرہ ہزار ساٹھ ہے سات سو موجود تھی کہ جنکو علاوہ مچلی اور طیور کے گوشت کے روزانہ تیرہ ہزار ٹل گوشت کا راتب ملتا تھا۔ خلیفہ کے مجلس امین مختلف مارج اور مراتب کے عورتوں کی شمار چھ ہزار

تین سو چودہ تھی غلاموں خادموں اور خواجہ سراؤں کی کل تعداد تین ہزار ساڑھے تین سو تھی جن میں علی حسب مراتب روزانہ تیرہ ہزار ٹل گوشت بطور راتب تقسیم ہوتا تھا۔ پہلی تیرہ۔ بیئر۔ اور دوسرے طیور کا گوشت اسکے علاوہ تھا۔ قصر الزہرہ کے خوشنما حوض میں جو چمیلیاں پلے ہوئی تھیں اونکو روزانہ بارہ ہزار روٹیوں کا راتب مقرر تھا۔ اور راش کے چھ لبر نیپانے جو انکے لئے حوض میں ڈالے جاتے تھے وہ علیحدہ رہے۔ متذکرہ بالا حالات اور نیز دوسری حیرت افزا کیفیتیں بڑی بڑی تاریخوں اور سوقت کے فصحا کی تقریروں اور شاعروں کی نظموں میں تفصیل کے ساتھ بہری پڑی ہیں۔ ہم نے جو کچھ اس موقع پر بیان کیا وہ مشتمل نمونہ از نثر و کتب ہے۔ قصہ خضر یہ کہ جسے قصر الزہرہ اور قصر الزہرہ کو ایک مرتبہ بھی دیکھا ہے وہ اس بات کا معترف ہو گیا ہے کہ فی زمانہ اسلامی دنیا ان عمارتوں کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

مالک دُور و دراز کے سیاح منچلے اور جوان طبیعت شہزادے دولتہائے غیر کے سفیر گردہ فقہا جماعتہ شعرا اور قافلہ حجاج الغرض ہر ایک درجہ کے پیشہ والے اور جملہ مذاہب کے لوگ ایک زبان ہو کر اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ ہماری نظر سے آج تک دنیا کی کسی حصہ میں ایسا عجیب غریب شہر اور ایسا شاندار اور عالیشان قصر نہیں گذرا۔

# انگلستان کی صنعتِ حرفت

## کاتارنجی حال



انگلینڈ یا انگلستان جو فی زمانہ صنعت و حرفت کے لحاظ سے مہذب اور غیر مہذب دونوں ملکوں میں کیانِ عزت کے ساتھ مشہور ہے۔ وہ صنعتِ حرفت کی تدبیریں سوچنے میں ابکل کی طرح ہمیشہ سے ممتاز نہیں رہا ہے۔ ان دوسرے ملکوں کی طرح کہ جہاں کسی کام کے شروع شروع میں بہت سی فرحتیں اور رکاوٹیں پیش آتی رہتی ہیں۔ انگلستان کو بھی اپنی موجودہ روش اختیار کرنے کے آغاز میں بہت سی فرحتیں اور دقتیں اٹھانی پڑی ہیں۔

لیکن آئیں انگلستان نے بھی اُن ملکوں کی طرح ہدایت پائی کہ جو دقتیں اور مشکلیں اٹھانے کے بعد اپنی ترقی کی معراج کو پہونچا کرتے ہیں۔ اور شدہ شدہ انگلستان نے وہ قابل رشک ترقی کی کہ اسکے ادائل زمانے کے دوسرے حریف اسکو حیرت اور استعجاب کی نظر سے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔

انگلستان کو جو شک پیر اور نیوٹن جیسے قابل اور فاضل شخصوں کو پیدا کر کے اپنی

۱۷۵۳ء ویم شک پیر - انگلستان کا سب سے زیادہ مشہور و ممتاز ڈراما نویس شاعر تھا۔ ۲۳ - اپریل ۱۶۶۳ء کو بھقام  
اسٹرا فورڈ ایک نواف یا قصاب کے گھر پیدا ہوا۔ اوس نے اپنی بستی کے ایک چھوٹے سے خیراتی اسکول میں  
کسی قدر تعلیم پائی تھی۔ اتفاقات زمانہ سے اسکواڈ ائل عمر ہی میں اسکول چھوڑنا پڑا۔ اسکول چھوڑنے کے بعد  
سوائے توڑی ہی لاطینی زبان حاصل کرنے کے اُس نے اور کچھ زیادہ تعلیم نہیں پائی۔ اس وقت وہ ایک نہایت  
ناہموار اور اوجھڑا لڑکا تھا۔ ایک مرتبہ اوس نے کسی لہیر کا ہرن چڑایا اور جب اُس نے اُس سے دار و گیر کی تو اپنے  
انگلی ہجو لکھ کر اپنے دل کے سپہرے کو توڑے اور زندہ بہاگ گئے۔ بیان سنیکر وہ تھوڑے کے اکثر دن سے ملا اور خود  
بھی اکثر بنگیا۔ اس عرصہ میں اُس نے اپنے طبیر ادبیت سے ڈراما لکھے جو اسکی اعلیٰ شہرت کے باعث ہونے اور بالآخر  
۵۳ سال کی عمر میں تاریخ ۲۳ - اپریل ۱۶۶۶ء کو فوت ہوا۔ ۱۲

۱۷۵۳ء سرائتی نیوٹن متاخرین میں سب سے زیادہ مشہور فلاسفر و مهندس۔ اور ماہر علم طبیعت گذرا ہی بھقام ووستہروپ ۱۶۴۲ء  
کو پیدا ہوا تھا۔ کیرج میں تعلیم پکرا کر ۱۶۶۳ء سال کی عمر میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اور دو برین کی ساخت میں معروف  
ہوا۔ تسلسل کا قاعدہ دریافت کیا اور زمین کی کشش ایک سید کے گرنے سے معلوم کی ۱۶۶۶ء میں وینیزوئلی کیرج  
کا فیو مقرر ہوا اور جب ہی ایم اے کی ڈگری حاصل کی ۱۶۶۹ء میں وہ پروفیسر ریاضی ہتھر ہوا اور زبان لاطینی  
میں اُس نے علم مرایا پر محققانہ لکچر دئے ۱۶۷۱ء میں رائل سوسائٹی کے عالم و فاضل ممبروں کے سامنے اوس کی روشنی  
اور انوار کی نسبت اپنی تحقیق ظاہر کی۔ اور اپنی ایجاد کی ہوئی دو برین سے اپنے خیانات کا شاہدہ کرایا۔ بعدہ وہ  
ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوا ۱۶۷۹ء میں رائل سوسائٹی کا صدر منتخب بنایا گیا ۱۶۹۹ء میں پیرس کے دار الحکومت کا مہتمم ہوا اور  
۱۷۰۵ء میں ملکہ ان کے حضور سے نائٹ ہونے کا تمغہ فرمایا۔ سرفراز کیا گیا۔ جسطرح یہ عالی یار فلاسفر تھا اسی طرح اسکول ہیئت  
میں بھی بڑا علوت تھا اسکے حالات پڑھ کر اچھل کے اُن فلاسفوں کو عبرت پکڑنی چاہئے کہ جو مذہب کو فلسفہ کے سرحد سے  
کر بیٹھتے ہیں اُسکا مقولہ تھا کہ ”مے سامنے صد اقوتوں کا ایک سمندر ہے۔ بے پایان موجیں مار رہا ہے اور میں اپنے نیکو  
انکے سامنے نہایت ہی حقیر پاتا ہوں“ ۲۰ - مارچ ۱۷۲۷ء کو اُس نے انتقال کیا اور ویسٹ منسٹر میں دفن ہوا۔ ۱۲



مردم خیر می پر کچھ تھوڑا سا غرور اور اپنے قوانین و آئین پر ذرا سا فخر ہے۔ اُسکے تسلیم کرنے میں تو اور دوسری قومیں کچھ تامل بھی کرتی ہیں لیکن اُسکی صنعت و حرفت کے لحاظ سے وہ ہی قومیں اُسکی عظمت کا اقرار کر کے اُسکو عزت و فخر کے شہ نشین پر جگہ دیتی ہیں۔

انگلستان نے جب صنعت و حرفت کے میدان میں اول اول قدم رکھا ہی تو اُسکے ہم قدم اور بھی بہت سی دوسری قومیں تھیں۔ اور اطالیہ والے ہوئے یا جرمن والے فلیمش اور بعض اعتبار سے ڈچھ لوگ بھی یہ سب کے سب تو اُس میدان میں اُسکے پیشرو تھے۔ بہت ہی ابتدائی زمانے میں اگر سچ پوچھئے تو انگلستان کو نہ تو تجارت سے کسی طرح کی شہرت اور نہ صنعت و حرفت کے کارخانوں سے کسی قسم کی رونق نصیب تھی مگر اُس پر بھی تیسری صدی عیسوی کے اخیر میں رونق لوگوں نے بہ نسبت فرانس کے انگلستان کے سرشت میں میکینکل صنعت و حرفت کی قابلیت کا بہت کچھ اندازہ کیا تھا۔ اور امتداد زمانہ کے ساتھ بعض ضرورتوں کے لحاظ سے اُسکی میکینکل قوت میں تھوڑی یا بہت کچھ نہ کچھ تحریک ہوتی بھی رہی لیکن پہر بھی <sup>۱۵</sup>الفرڈ اعظم کے زمانے

۱۵الفرڈ اعظم یہ انگلستان کے شاہان و سیکشن میں کا ایک ممتاز بادشاہ خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۱۹۹ء میں پیدا ہوا نہایت رحمدل خوش تدبیر اور علم و دست و پز پرور بادشاہ تھا۔ انگلستان میں فنِ جہاز رانی کا آغاز اسی کے عہد سے ہوا۔ شمال و شرق کی کاہ دریافت کرنے کے لئے سب سے پہلے اسی نے جہاز روانہ کیا تھا۔ اُس نے اپنے اوقات کو تین مساوی حصوں پر اربع تقسیم کیا تھا کہ ایک حصہ عبادت الہی کے لئے اور دوسرا حکمرانی کے لئے اور تیسرا آرام اپنے کے لئے اُسکی آمدنی بھی دو مساوی حصوں پر منقسم تھی۔ ایک حصہ تو وہ مذہبی امور میں صرف کرتا اور دوسرا انتظام مملکت وغیرہ میں منسلک عین اوستے وفات پائی۔ ۱۲

تک اوسمین اتنی قدرت اور طاقت تھیں تھی کہ وہ اپنے تمام اغراض میں سیکھنے کی قوت کو کام میں لاسکتا۔

۱۔ افراطِ عظم کے بہت زمانہ بعد تک کی جو انگلستان کی تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی تھی لکھی گئی ہیں۔ ادن میں سولے اسکے کہ تجارت اور صنعت و حرفت کے لحاظ سے انگلستان کا پیچھے ہی رہنا پایا جاتا ہے اور کوئی عمدہ حالت نظر نہیں آتی۔ البتہ تیرہویں صدی اگر کسی قدر فخر کر سکتی ہے تو وہ ناروے اور فلینڈرس کے ساتھ تجارتی عہد نامے لکھے جانے۔ کتان کے کارخانے قائم ہونے۔ گنچ یا آٹری کٹین کھلنے اور فولادی اشیاء کے تاجر فراہم ہونے پر کر سکتی ہے۔ لیکن یہ سب باتیں اس قدر ناکافی تھیں کہ اُس قوم کی آئندہ صنعت و حرفت کی ترقی کی نیک فال ہونے سے بھی بدتر تھیں۔ کیونکہ بڑے بڑے کاروبار ب غیر ملک کے لوگوں کے ہاتھ میں تھے۔ انگلستان کی دارالطرب کے انتظام کے اعتبار سے تو وہاں گویا اطالیہ والوں کا مسلک ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بلاشبہ اس صدی کے مقابلے میں چودھویں صدی میں انگلستان کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ چنانچہ اسی صدی میں اور وڈ اول نے ایک شاہی

۱۵۔ اور وڈ اول ۱۳۹۹ء میں پیدا ہوا۔ اور اپنے باپ تھری سوم کی وفات پر ۱۴۱۳ء میں سربراہی سلطنت انگلستان ہوا۔ اپنی ویسویں صدی کے زمانہ میں اوسنے عربوں کے مقابلے میں قلعین پوچھائی کی قلعین کی مدد کے آرائیوں سے فرخندہ پاک کو دس سٹے دیار کو فتح کیا۔ اور اپنے بیٹے اور وڈ دوم کو جو ایک کالڈیہ تھا۔ پرنس آف ویلز کا خطاب دیا جو خطاب کو اسوقت سے اب تک انگلستان کے ولیعہد کے لئے مخصوص چلا آتا ہے۔ ۶۹۔ یہی عمر میں اسنے بمقام کاراکل ۱۳۹۹ء میں وفات پائی۔ ۱۲۔

فرمانِ مسمیٰ بہ چارٹرڈ کمپنی کے ذریعے سے۔ المین۔ فرانس۔ اسپین۔ پرتگال۔ اٹلی وغیرہ اور نیز اور دوسرے ملکوں کے تاجروں کو کہ جو انگلستان سے رشتہ تجارت پیدا کرنا چاہیں اس میں دینے اور حفاظت میں لینے کا اعلان دیا۔ اس سے یہ مفید نتیجہ نکلا کہ تاجروں کی آمد و شد کی راہ کھل گئی کہ جو آگے چل کر انگلستان کی صنعت و حرفت کی ترقی کے حق میں بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی کس لئے کہ اس وقت تک انگلستان کے اصلی باشندے خود تو غیر ملکوں میں بہت کم جہاز رانی کرتے تھے اور ان کے بیان کی پیداوار دوسرے نہی ملک کے لوگ اپنے اپنے جہازوں میں نہر کر بطور اشیا تجارتی باہر لجاتے تھے۔ بعض انگریزی جہاز تو ہمیشہ ایسے تھے کہ جو بالٹک تک کہی جاتے رہتے تھے لیکن انہیں سے ایک بھی ایسا نہ تھا کہ جسے میڈیٹیرینین کے ساحل کی کہی صورت نہی دیکھی ہو۔ جہاز سازی کی حالت بھی اُس زمانے میں درست نہیں تھی۔ چنانچہ معلوم ہے کہ اٹوورڈ اول نے جو چند جہاز فلپ دی فیر کو دئے تھے اون میں کے بڑے سے بڑے جہاز میں بھی صرف ۴۰ ہی آدمی سما سکتے تھے۔

گیلیلی بھی اٹوورڈ سوم نے ۱۶۳۸ء میں بمقام نائس بنوائی تھیں۔

۱۶۰۵ء فلپ چارم بادشاہ فرانس جو کہ فیر اپنے خوش رو کے لقب کے ساتھ زیادہ مشہور ہوئے برس کی عمر میں ۱۶۸۵ء میں سرکار اسے سلطنت فرانس ہوا اور ۱۷۱۴ء میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

۱۶۰۵ء یہ چوتھے جہازوں کی ایک قسم کا نام ہے۔ ۱۲

۱۶۰۵ء اٹوورڈ سوم اپنے باپ اٹوورڈ دوم کی وفات پر پندرہ برس کی عمر میں تخت انگلستان چمکن ہوا۔ انگلستان اس کی بہادری اور جو انگریز کا اثر ہوا تھا چونکہ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اس لئے تین برتاؤ

کچھ بھی کیوں نہ ہو مگر پہنچھی اُس زمانے میں خوشحالی کا پلہ برطانیہ ہی کی طرف  
 جھکتا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اُس حالت میں بھی اسکے مال کی برآمد۔ درآمد کو سات  
 گونہ قیمت کے برابر یا کچھ زیادہ ہی ہوتی تھی حالانکہ اس وقت تک وہاں کی برآمد  
 میں بابتشار جزوی چڑھے اور واہیات سے کپڑے کے اور جتنی چیزیں تھیں وہ  
 سب ادنیٰ اور کم قیمت مثل شیم و سیسہ اور ٹین وغیرہ کے ہوتی تھیں جو باہر جاتی  
 تھیں۔ کیونکہ اُس صدی کے تمام ہونے تک بھی وہاں کے لوگوں نے ان چیزوں  
 سے اپنی ضرورتوں کے مطابق کوئی راتر ع یا کسی قسم کی ساخت نہیں سیکھی تھی۔  
 اسی صدی یعنی ۱۳۸۱ء میں ایک قانون ”نیو لکیشن ایکٹ“ کے نام سے بھی  
 نافذ ہوا تھا جسکی غرض یہ تھی کہ تمام برٹش رعایا کو اس امر کی ممانعت کی جائے کہ وہ سوکے  
 ان برٹش ہمازون کے کہ جنہیں کثرت کے ساتھ انھیں کی قوم کے آدمی ہوں اور کسی  
 دوسرے ہمازون میں اپنا تجارتی مال نہ بہرتے پاویں۔ اس صدی یعنی ۱۳۹۹ء  
 میں ایک مفید بات یہ ہوئی کہ کوئی کپڑوں کی درآمد یک لخت موقوف کر دی گئی۔

بقیہ صفحہ ۵۸  
 سلطنت اُسکی مان اور اسکے آستانہ شیر کے ہاتھ میں رہا۔ بالاخر ۱۳۱۱ء میں ایٹ  
 نے کل اختیارات و اقتدارات اُسکے ہاتھ سے چھانک کر اپنے ہاتھ میں لئے۔ اپنی مانی کو دستِ نازل اور  
 کر کے مستبد۔ اور مارٹیر کو اپنے چچا اور باپ کا قاتل ٹھہرا کر قتل کیا۔ فرج کی گمان اپن ہاتھ میں لیکر اوس نے  
 اسکا لیتیر پر چڑھائی کی اور بادشاہ ڈیوڈ کو قید کر لایا اسے بند بست کیا۔ ۱۳۱۵ء میں اسکا  
 جنگ ہوا مگر اسکو ہر طرح کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۵ سال کی عمر میں اسے ۱۳۵۶ء میں ۶ برس کی عمر میں ۱۳۵۶ء میں ۱۲ سال کی عمر میں

پند۔ ہویں صدی اگرچہ انگلستان کی تاریخ میں سب صدیوں سے زیادہ مخموس اور بدبخت صدی ہے۔ لیکن جہاں تمام دنیا اُس سے اکثر نئی نئی اور پوشیدہ چیزوں کا علم حاصل کرنے کیوجہ سے اُسکے احسان کی زیر بار ہے۔ وہاں بعض باتوں کے لحاظ سے انگلستان بھی اُسکے احسانات سے عمدہ براہین ہو سکتا ہے۔

اسی صدی میں انگلستان کو اس قسم کے اکثر ذریعے میسر آئے ہیں کہ جنگی برکت سے پیشتر کی بہ نسبت وہ اُس صدی میں اپنے پشمینہ کی صنعت کی طرف ذرا زیادہ توجہ کرنے لگا تھا۔

چنانچہ ۱۷۶۳ء میں جو غیر مالک سے مختلف قسم کی تجارتی چیزوں کا انا بند کیا گیا تھا۔ اُس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اسوقت خود انگلستان میں وہ چیزیں بنائی جانے لگی ہوں گی کہ جسکی وجہ سے اُن چیزوں کی درآمد وہاں بیسودھجی گئی۔ جن چیزوں کی درآمد اسوقت موقوف کی گئی تھی اور انہیں کی خاص خاص یہ تھیں۔

(۱) ہر قسم کے پشمینے کا سامان۔

(۲) اشیاء کی وہ قسم کہ جسکے خاص اجزاء چڑایا لو ہوتے تھے۔

(۳) چند قسم کی قیمتی چیزیں۔

اس بیان سے اس بات کا بھی پتہ لگ سکتا ہے کہ اُس زمانہ میں صنعت و حرفت یا تجارت نے عیش و عشرت کے مقابلے میں کہاں تک ترقی کی تھی۔ یہ سب کچھ سہی۔ لیکن وہ منافع اور فائدے کہ جو انگلستان کی قسمت میں یورپ کی عام کمالیت سے حاصل

کرنے پر آئے تھے اُن کا زمانہ ہنوز بہت دور تھا۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی میں بھی جا کر وہ اُسکو پوسے پوسے نہیں چھل ہوئے۔ تاہم سولہویں صدی میں اُسکی تجارت میں جب قدر نمایاں ترقی ہوئی وہ بہت غنیمت تھی۔ انگلستان کو یہ بات سولہویں صدی میں نصیب ہوئی تھی کہ اُسکے جہاز پشیم اور پچڑے کے چڑے بہر کر لیوانٹ کے سمندر وں میں گزرنے لگے تھے۔ افریقہ کے مغربی کنارے پر بزل ٹرکی اور میڈیٹیرینین کے جزائر سے اور تجارتی لین دین شروع ہو گیا تھا۔

نیدرلینڈس میں بھی اُسکی تجارت کو بڑی وسعت ہو گئی تھی۔ اگرچہ پشیم کی بڑا دیکھی تک برابر جاری تھی لیکن اور پچڑی انگلستان میں ادنیٰ کپڑے کثرت کے ساتھ بنے جانے لگے تھے۔ انیٹورپ کے تباہ اور برباد ہونے پر پشیم کی بیش بہا صنعت بھی انگلستان ہی کے ہاتھ لگ گئی تھی۔

الغرض اس صدی میں انگلستان کی تجارت میں یہاں تک افزائش ہوئی کہ ۱۵۹۰ء میں ملکہ ایلزبتھ نے جو چودہ ہزار پونڈ محصول کے لگائے تھے۔ دس برس

۱۵۹۰ء میں ملکہ ایلزبتھ ۱۵۳۳ء میں پیدا ہوئی چونکہ وہ پراسٹنٹ اصول کی پابند تھی اسلئے اُسکو اپنی بہن میری کے ہاتھوں کہ جو بڑی متعصب رومن کتھولک تھی عرصہ تک قید میں رہنا پڑا۔ ۱۵۵۸ء میں میری کی وفات پر وہ سربراہی سلطنت ہوئی ۱۵۵۸ء میں جبکہ اسپین کے جنگی جہازوں کا شہر رومعرف بیڑہ اٹلینڈ پر حملہ آور ہوا تو اسوقت وہ خود گارڈیہ پر سوار ہو کر اپنی فوج میں گشت لگاتی اور اپنی سپاہ کے دل میں اپنی پرورش تقریر سے جرات و ہمت پیدا کرتی تھی۔ اور بالآخر اسپین کا بیڑہ تباہ و برباد ہوا اس کے بعد میں انگلستان کو منیٹر ترقی نصیب ہوئی۔ اور اُسکی بحری قوت یورپ کی اسلئے طاقتوں میں شمار ہونے لگی۔ ۱۵۹۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں تجارت کرنے کی غرض سے قائم ہوئی۔ ملکہ ایلزبتھ نہایت ہوشیار اور مدبر حکمران تھی ۱۶۰۳ء میں وفات پائی۔ ۱۶۰۳ء

کے اندر نہی اندر انہیں اس قدر توفیر ہوئی کہ انکی نوبت پچاس ہزار پونڈ تک پہنچ گئی۔  
ایک طرف تو سرکاری اور تجارتی جہاز اپنے وزن اور تعداد بڑھانے میں کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف انکی بندرگاہیں یا لنکر گاہیں اور گودام وغیرہ اپنی اپنی ترقی پزیر  
ہے تھے۔ اور اسی صدی کے خاتمہ کے قریب انگلستان نے تمام دنیا کے گوشوں کو اپنے  
نئے نئے ملکوں کی دریافت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔

سترہویں صدی کے وہ مہر کے کہ جنہیں انگلستان بد توں تک مصروف رہا ہے انہوں  
نے گزشتہ دو سو برس کے معرکوں کے مقابلے میں بلحاظ دلیری اور جانبازی انگریزوں  
کی قوم میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا تھا۔

انگلستان میں پہلی خیم کا زمانہ اگرچہ اس ملک کی بہادری اور شجاعت کا زمانہ گنا جاتا ہے مگر  
شجاعت بہادری کو صنعتِ حرفت اور تجارت سے جہاں تک لگاؤ ہے اسکو بھی جانتے ہیں  
معارفات روز زمین انگلستان کے لوگ اس سے بڑھ کر کچھ حصہ نہیں لے سکے کہ جبکہ

۱۰۔ پہلی خیم کو جاپانی جاے ولادت کے لحاظ سے مان ڈاؤن کے لقب کے ساتھ مشہور ہے ۱۳۸۵ء میں پیدا ہوا۔  
یہ نہایت مغرور اور خود میں بادشاہ تھا اسکے متواضعوں سے فرانس پر تباہی اور بادی آئی اور اسکی فتوحات انگلستان کے  
حقین ہی بجائے مفید ثابت ہوئیں نہایت مغز ثابت ہوئے ۱۴۰۵ء میں ۳۴ سال کی عمر میں اسنے انتقال کیا۔

۱۱۔ یہ لاطینی انگلستان کے دو خاندانوں یعنی یورک اور لنکسٹر میں تاج و تخت پر پہنچی تھی ۱۴۵۵ء سے لیکر ۱۴۸۵ء تک  
۳۰ برس بلکہ ۱۰۱ اس عرصہ میں مشہور مشہور بارہ لائین ایوی گئیں جنہیں دونوں فریق کے لاکھوں آدمی تلف ہوئے  
اور ہزاروں نواب اور شاہزادے مارے گئے۔ چونکہ یورک والوں کی فوج کے سپاہیوں کا متفقہ عقیدہ گلاب کا پھول اور  
لنکسٹر والوں کے سپاہیوں کا متفقہ عقیدہ گلاب کا پھول تھا اور گلاب کے پھول کو انگریزی میں روزہ کہتے ہیں اسلئے ان  
پھولوں کی وجہ سے یہ جنگ ”جنگ روزہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲۔

مخاریات میرٹس اور سلاطین رومۃ الکبیرے والوں نے لیا تھا۔ حاصل کلام یہ کہ انگلستان میں ایسی ایسی ہیوج اور نا واجب کوششہ شون سے کبھی کوئی ہی نمایان ترقی نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ سترہویں صدی میں جو چارلس اول کے زمانہ میں انگلستان میں خانہ جنگی اور معرکہ آرا سیان ہوئی تھیں اُن میں سے اکثر لڑائیوں ملک کی آزادی حاصل کر نیکے لئے لڑی گئی تھیں۔ اُن میں خواہ نصرت خواہ ہر سمیت جو ہوئی اوس نے وہاں کے لوگوں میں ایک حد تک شایستگی کی روح پہونکنے میں اعجاز کا کام دیا۔

اُسکی برکت سے ترقی کی منزلیں بڑی تیزی کے ساتھ طے ہوئیں۔ امریکہ میں نوا آبادیان قایم ہوئیں۔ انگلو امریکن لوگوں کی مرقہ الحالی کی بنیاد پڑی۔ غیر ممالک سے تجارتی عہد نامے مرتب ہوئے۔ اور صنعت و حرفت میں وہ نمایان ترقیاں ہوئیں کہ حتیٰ نظر اوسکے بہت بعد تک کے زمانے میں بھی نہیں ملتی ہے۔

ملک کی تجارتی حالت نے ہی اس درجہ ترقی پائی کہ وہی محصولات کہ ۱۶۱۳ء سے تیس برس قبل پچاس ہزار پونڈ کی مقدار میں وصول ہوئے تھے۔ اب ۱۶۱۳ء میں ایک لاکھ اڑتالیس ہزار پونڈ کی مقدار کو پہونچ گئے۔ اسکے علاوہ ملک کی مالی حالت بھی اُس رتبے کو پہونچ گئی تھی کہ ۱۶۲۱ء اور ۱۶۲۷ء کے درمیان پارلیمنٹ نے بادشاہ سے

۱۷ چارلس اول بادشاہ انگلستان ۱۶۲۷ء میں بمقام اسکاٹلینڈ تولد ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں سول داری نے خانہ جنگیاں شروع ہوئیں اور بالآخر تاریخ ۳۰ جنوری ۱۶۴۹ء میں بمقام وائٹ ہال قتل کیا گیا۔ ۱۲۔



مقابلہ کرنے کو سامان جنگ کے لئے چالیس ملین روپے منظور کئے تھے۔

جمہوری سلطنت کے جیسے بدترین زمانہ میں بھی انگلستان کی تجارت محفوظ رہی اور اسکی صنعت و حرفت کو کسی طرح کا صدمہ نہیں پہنچا۔ چنانچہ اسکا ثبوت اس وقت کے قوانین بحری کے آرام و آسائش ملحوظ رکھنے اور کارامول غاصب سلطنت کی عاقلاً پالیسی برتنے سے کافی طور پر ملتا ہے۔

سر جیمز جانکس اپنی محقق کتاب ”ڈسکورس آن ٹریڈ“ *A Discourse on Trade* میں لکھتے ہیں کہ باوجود چھ صنعتی شاخوں کے مفقود ہونیکے ۱۶۷۱ء میں تمام چیزوں کی برآمد میں نسبت پہلے کے ایک تہائی کی توفیر ہوئی ایک اور قابل وثوق اور محقق شخص سر ولیم پیٹی *William Petty* نے اس سے چالیس برس بعد کا حال لکھا ہے

۱۷۰۱ء میں چارٹرڈ سٹریٹون صدی میں لندن کا ایک بڑا نامی گرامی تاجر تھا۔ اسے ۱۰۰ اسکی تصانیف بہت ہیں۔ اور ان میں سے زیادہ مشہور تصنیف ”ڈسکورس آن ٹریڈ“ ہے اور اسکی اکثر تصانیف پولیٹیکل اکانومی کے متعلق ہیں ۱۶۷۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۹۹ء میں وفات پائی۔ ۱۲

۱۷۰۱ء میں پیدا ہوا۔ بانی خاندان لنسڈون ۱۶۲۳ء میں بمقام رومیزی پیدا ہوا تھا۔ طب اور کیمیا اور فلسفہ اور پیرس میں حاصل کیا۔ اور عرصہ تک علم شریعہ اور موسیقی کی پروفیسری کے کام پر مامور رہا۔ ۱۶۵۲ء میں آئرلینڈ کی فوج کا طبیب اور کارامول کا سکریٹری بنا گیا۔ اور نائٹ ہونے کے بعد نسطار سے سرفراز ہوا رائل سوسائٹی کے سربراہ اور نہایت قدیم فیوزمین اسکا نام بھی پایا جاتا ہے۔ جبکہ اس نے دوہری تلی کے جہاز کا نمونہ پیش کیا تھا۔ جو کہ ہوا اور امواج کے خلاف مہولیت مل سکتا تھا۔ ۱۶۸۶ء میں جس وقت وہ فوت ہوا اس وقت وہ نہایت مالدار آدمی تھا۔ اسکی تصانیف میں سے پولیٹیکل اکنامک نہایت مشہور کتاب ہے۔ ۱۲

اوسمین وہ اسکی نسبت توفیر آمدنی میں زیادہ اوسط پڑنا ظاہر کرتے ہیں۔  
 ان سب باتوں سے قطع نظر کہ اس عرصے میں بہت سی چیزوں میں المضاعف اور  
 بہت سی میں چند اور چار چند ترقی ہوئی۔ ڈاکخانہ جات کی آمدنی جو ملک کی صنعت و  
 حرفت اور تجارت کی ترقی کی ایک یقینی اور بہت بڑی علامت ہے اوس میں بھی ایک  
 اور تیس کی نسبت سے اضافہ ہوا۔

جس زمانہ میں خاندان اسٹوارٹ کے لوگ انگلستان سے بدر کئے گئے تھے اوس  
 زمانے کی ترقی کا ذکر ڈیوی نانٹ (Devenant) نے اپنی تحریروں میں  
 اِطرح کیا ہے کہ ۱۶۸۸-۱۶۹۰ء کے عرصے میں سرکاری جہازوں کا وزن باسٹھ ہزار ٹن  
 سے ایک لاکھ گیارہ ہزار ٹن اور تجارتی جہازوں کا وزن اس سے بھی المضاعف ہو گیا  
 محصولات سائر کی آمدنی میں تین لاکھ نو ہزار پونڈ سے پانچ لاکھ پچیس ہزار کی توفیر ہوئی  
 انگلستان کی زمینوں کے لگانات، مکانات، اور معدنیات وغیرہ کے محصولات کہ  
 جو ۱۶۹۰ء میں ساٹھ لاکھ پونڈ کی شمار میں تھے وہ ۱۶۹۸ء میں ایک سو چالیس لاکھ پونڈ  
 کی شمار کو پہنچ گئے اور وہ قطعات آراضی کہ جو ۱۶۹۶ء میں بارہ برس اور  
 ۱۶۹۸ء میں اٹارہ برس کے تقادسی پرستے ان کی جملہ آمدنی میں بہتر ملین سے  
 دو سو بارون ملین افرونی ہوئی۔

جیسے جیسے یہ ترقیاں یکے بعد دیگرے ہوا کین ویسے ہی ویسے لوگ انکو انگلستان  
 کی ترقی کی انتہائی حد خیال کیا کئے یعنی لوگ تو یہی خیال بیٹھے کرتے رہے کہ بس انگلستان

کی ترقی اب اپنی معراج کو پہنچ چکی ہے وہ اُس سے اور زیادہ ترقی کر سکے یہ ممکن نہیں  
مگر انگلستان اپنی صنعت و حرفت کے ہاتھوں دن و گنی اور رات چوگنی دولت سیٹھ  
میں ہمیشہ پہلے سے زیادہ مستعد ہی نظر آیا کیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں جبکہ لوگوں نے دیکھا کہ انگلستان کی صنعتی چیزوں کی  
نوآبادیوں میں اس کثرت سے کمیت ہونے لگی ہے۔ اور وہاں سے جس سوداگری  
کی چیزیں انگلستان میں اس قدر آنے لگی ہیں تو انہوں نے بعقیدہ ”ہم کالے رازوال“  
اس پر یہ بدگمانی کی کہ یہ ضرور انگلستان کو اسکی ترقی کے عرش سے اتار کر ابدی منزل  
کے غار میں سُلا کر رہے گی۔ انکے گمان کے خلاف یہ ہوا کہ انقلاب سلطنت کا ہنگامہ جو  
اسی صدی کا ایک قابل یاد واقعہ ہے اُس نے انگلستان کو بلحاظ اسکی صنعت و حرفت  
وزیر تجارت وہ ترقی دی کہ جسکی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ میں کمین دھونڈے بھی  
نہیں ملتی اسکے علاوہ اس صدی کی بدولت انگلستان کو یہ کیتیں اور نصیب ہوئیں۔  
ڈیوئی نانٹ کے معتبر بیان کے موافق ۱۷۷۰ء جیسے سال میں کہ جو ناسازگاری موسم  
کے اعتبار سے انگلستان کے لئے گویا ایک بلائے بے درمان تھا ساڑھے چھ  
ملین سے زائد زائد کی برآمد ہوئی۔

۱۷۹۰ء میں محصولات سار کی جملہ آمدنی تو ڈیڑھ ملین اور انقلاب سلطنت کا ہنگامہ  
فرد ہوئے کیوقت ڈاکخانہ جات کی آمدنی اکیس ہزار پونڈ تھی۔ پھر بشمول اصلی محصول  
کی اُس ایک تہائی کے کہ جب کوپار لینٹ نے رعایتہ کم کر دیا تھا ۱۷۹۰ء میں اندونوز

بدون مین نوڈ ہزار پونڈ کا اضافہ ہوا رفتہ رفتہ روپیہ کے سود کی شرح مین کی ہونا شروع ہوئی اور یہاں تک ہوئی کہ ۱۹۱۷ء مین سود کم ہوتے ہوئے تین فیصدی رہ گیا۔ سود کی اس قدر کم شرح ہونے سے پارلیمنٹ کو بھی یہ آسانی ہوئی کہ وہ مصارف کارپوس منظور کرتے وقت کسی طرح کے پس پیش کرنے سے چھوٹ گئی۔

چنانچہ ایسا ہوا کہ ۱۹۱۷ء مین علاوہ اُس تین ملین روپیہ کے کہ جو قرضہ قومی کے سود مین دیا گیا تھا اور مین ملین کے قریب روپیہ منظور کیا گیا۔

اس کے بعد جو انگلستان مین جنگ نے جدال کی گھنگور گھٹا چائی اُس نے بھی اپنے اثر سے انگلستان کی صنعتی خوش اقبالی اور تجارتی عرفہ الحالی کے زوال کا خیال پیدا کر کے لوگوں کو سیقدر ڈرانا چاہا تھا۔ مگر اُس سے انگلستان کی صنعت و حرفت یا تجارت کو کسی طرح کا صدمہ نہیں بچھا۔

چنانچہ اس کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ اُس کے دو برس بعد اوزیر ۱۹۱۷ء مین یعنی انگلو امریکن لوگوں کے خود مختار ہو جانے کی وقت انگلستان کے جملہ محصولات سائر کی شمار سارٹے پانچ ملین سے اوپر اوپر تھی اور برآمد مال کا تخمینہ چھ ملین اور ڈاک خانہ جات کی آمدنی کا اندازہ نصف ملین کیا گیا تھا۔

سرکاری اور تجارتی جہازوں کا وزن یورپ اور امریکہ دونوں کے جہازوں کو ملا کر ان کے تین چوتھائی وزن کے مساوی تھا اور یہ کہ خزانے مین بھی نو لاکھ اونیس ہزار دو سو نو پونڈ خرچ ہوئے کہ بعد پندرہ ملین اور تیرہ لاکھ تانوے ہزار چار سو اکتر پونڈ جمع تھی۔

اس طور پر اس قیامت کی شایستہ قوم نے پہرہ ترقی حاصل کی کہ جسے اجداد ہی النظر میں سوائے زوال کے اور کوئی حد نظر نہیں آتی تھی گویا چاروں طرف سے پہرہ ہی۔  
”ہر کلمے راز وال“ کی صدا کا نون میں گونج رہی تھی۔

اونیسویں صدی نے انگلستان کو ترقی کی ایک منزل اور چڑھا کر یہ دکھلا دیا کہ اون پہلے حدود سے آگے بڑھ کر ترقی کی ابھی اور بھی حد ہے۔ اسکے ثبوت میں ہم معزز ناظرین کے سامنے اس صدی کا ابتدائی زمانہ یعنی ۱۸۲۳ء پیش کرتے ہیں کہ مین محصولات سار کی آمدنی ساڑھے گیارہ ملین۔ اور مال کی برآمدیوں میں ملین تھی کہ منجملہ جسکے تین تالیس ملین انگلستان خاص کی صنعت و حرفت کی اشیا کی برآمد بھی شریک حساب تھی۔ ڈاکخانہ جات کی آمدنی ڈیڑھ ملین اور مالگنداری کی مدین ساڑھے ستاون ملین خراج ہو ہوا اگرچہ ملین کی محبت تھی۔

ہمارے زمانہ کے کم ہمت اور پست خیال لوگ جیسا کہ قدیم انگلستان کو بابرکت سمجھتے ہیں ویسا ہی وہ اکثر ملکہ ایاز بیہ کے زمانے کو بھی مبارک خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اسکے عہد میں ملک کے تمام محصولات کی آمدنی زمانہ حال کے محض ولات کے برابر حصہ کی برابر ہوتی تھی۔ یا یوں کہئے کہ اس زمانہ کی کل آمدنی اس زمانے کے صرف ڈاکخانہ جات کی آمدنی کے برابر حصے کے قریب قریب تھی۔

کسی قوم کو آج تک یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ اس کے ۲۰ ملین آدمیوں نے اپنے دست و بازو کی قوت سے یعنی صنعت و حرفت کے ذریعے سے اس قدر

دولت و ثروت حاصل کی ہو۔

قصہ مختصر یہ کہ انگلستان زمانہ زمانہ صنعت و حرفت میں ترقی کرتے کرتے اس صدی میں اُس تہیہ اور عروج کو پہنچ گیا ہے کہ اگر آج اسکے منزل اور ادبار کی پیشین گوئی کیا کرنے والے پچھلی صدی کے لوگ زندہ ہوتے تو وہ اسکو ترقی کے اُن سراج پر پہنچنے ہوئے دیکھ کر اول تو بہت متعجب ہوتے اور پھر آئندہ کسی معاملے میں پیشین گوئی کرنے سے توبہ کر لیتے۔

انگلستان کی خوش قسمتی اور اسکی ترقی کا ایک یہی باعث ہے کہ ہندوستان کی طرح وہاں کی عورتیں سناٹا لگا کر یا کوچ اور صوفہ نیہا لکر بھی بیکار نہیں بیٹھتیں۔ وہاں کے مرد اور عورتیں برابر ایک واجب اور جائز محنت کے عادی ہیں خود اسکے دماغ کی سوچی اور ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں مال کی برآمد میں پانچ چوتھائی کی نسبت سے ہوتی ہیں۔

ترقی تجارت و صنعت کے متعلق سب سے زیادہ مفید یہ طریقہ ہے کہ ایک چیز کی تجارت اور صنم کے متعلق جتنے کچھ سامان اور لوازمات درکار ہوں وہ سب تجارتی گروہ کو اپنے ہی اہتمام سے تیار اور جٹیا کرنے چاہئیں۔ یعنی انکو جن چیزوں کی ساخت منظور ہو۔ اول اذکامصالحہ خود ہی پیدا کریں۔ پھر انکو اپنے ہی کارخانوں میں بنا دیں اور تیار ہونے کے بعد انکو اپنے ہی جہازوں میں بکر اپنے ہی ملک اور اپنے ہی قوم کے لوگوں کی سربزاہی سے باہر روانہ کریں۔

قریب قریب یورپ کی تمام سلطنتیں ہی گرمجوشی کی ساتھ ایک محنت شعار اور جنس بن رہی ہیں۔ مگر ابھی تک ان میں سے کسی کو بھی اس قیمتی اور مفید طریقے پر اپنا طور سے عمل کرنا نہیں نصیب ہوا۔ کیونکہ اس طریقے کے عمل پر اہونے میں ایک بڑا مشکل یہ ہے کہ وہ مختلف چیزیں کہ جو صنعت میں درکار ہوتی ہیں انہیں سے بعض تو گرم اور بعض سرد ملکوں سے مخصوص ہوتی ہیں اسلئے ان سب کو بلا لحاظ طبقات ایک ہی ملک میں پیدا کرنے کی کوشش۔ علم طبیعیات کے قاعدے سے لغو و بیسوڈ ٹھہرتی ہے۔

ہاں اگر اسکا خیال رکھا جائے کہ جس زمین میں جس چیز کے عمدہ پیدا کرنے کی قابلیت ہو اور وہیں وہی چیز پیدا کرائی جائے اور اسکو باہر بھیجا اسکی عوض یا تبادلہ میں لیس دوسری چیزیں کہ جو وہاں نہ پیدا ہو سکتی ہوں وہ لائی جائیں تو بلاشبہ اس تدریج سے بھی بہت بڑا نفع پہنچ سکتا ہے۔ اور صنعت کی غرض اس حصہ و محنت سے پونہ ہو سکتی ہے کہ جو اون چیزوں کے آنے پر انکی ساخت میں ان لوگوں کو کرنی پڑیگی اب یہ دیکھنا چاہئے کہ انگلستان میں ریشم پیدا نہیں ہوتا تاہم ریشمیں کپڑے بناتے ہیں۔

حالانکہ وہاں نیل کی کاشت بالکل نہیں ہوتی لیکن پھر نیل سے ریشم رنگنے کا رخصانے موجود ہیں۔ اور یہ کہ گو وہ تمام ریشم کہ جو وہاں جا کر کٹتا ہے۔ یا وہ تمام کہ جو وہاں بھیجا کر فولاد میں ڈھلتا ہے وہ تمامہ وہیں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہوتا۔

مگر تا ہم انگلستان کو جو برتری بلحاظ صنعت و حرفت یا تجارت حاصل ہے وہ اسکو یہ چیزیں ایسی کم قیمت میں دلا دیتی ہے کہ جس سے وہ شل وہین کی پیداوار کے پڑھتی ہیں۔ اسی خیال کی بنیاد پر انگلستان نے یہ ایک بڑی عقلندی اور فہم کا کام کیا ہے کہ مشرقی ممالک کی ادویہ وغیرہ پیدا کرنے پر اس نے اپنے ہاں کی زمین اور آب و ہوا کو جو اس کے ناموافق اور خلاف ہے محبوب نہیں کیا۔ بلکہ وہ انکو ممالک مشرقیہ سے ہی بطور درآمد کے منگوا کر اپنا کام نکالتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس وہ کچی دھات یا معدن خام سے ناکارہ اور نکلے اوزار بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ جہاں سے عمدہ نکلتی ہے وہاں سے اسکو بطور درآمد کے منگوا کر اپنی قابل قدر محنت سے اسی کے قیمتی قیمتی اوزار بنا کر باہر بھیجتا ہے اور ان سے خاطر خواہ روپیہ وصول کرتا ہے۔

صرف انگلستان ہی ایک ایسا ملک نہیں ہے کہ جس نے خصوصیت کے ساتھ اس عاقلانہ اور مفید طریقے کی پیروی کی ہو بلکہ دنیا کی وہ تمام ممالک تو ہیں کہ جو تجارت سے کچھ بھی دلچسپی اور صنعت و حرفت سے ذرا بھی دلچسپی رکھتی ہیں وہ سب اسی طریقے کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

مگر فرق اسی قدر ہے کہ دنیا میں آج تک ایسی کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی کہ جس نے انگلستان کی طرح اپنی جان اور اپنے مال کو بے درد ہو کر نیچر کی پیدائی ہوئی ادنیٰ چیزوں کے پیچھے صرف کر دیا ہو۔ اور یا یہ کہ دنیا کی غیر ضروری ناقدر اور



نہ چوڑے کے قابل چیزوں کو اُس نے اپنی ذکاوت کے زور۔ اپنے پیش سجا  
وقت کی مدد اور اپنی قابل قدر صنعت و حرفت کی برکت سے ہندو ملکوں کے بازاروں  
کی زیب اور رونق بنا کر انگلینڈ کی سی بیشمار اور لا انتہاد دولت پیدا کی ہو۔

۱۸۳۳ء میں جو انگلستان سے باہر کی پیدا شدہ چیزوں کی برآمد ہوئی تھی اونہیں  
سے دس ملین تو ایسی تھیں کہ جنہیں ٹبری جفاکشی اور ملاحی کی اعلیٰ درجہ کی لیاقت  
اور سرگرمی صرف کی گئی تھی اور باقی چالیس ملین وہ تھیں کہ جنہیں معمول سے چوگنا  
نہیں بلکہ کہیں زیادہ وقت۔ ذکاوت۔ اور صنعت و حرفت کے ہنر سے کام لیا گیا  
تھا۔ اس سے پہلے جو لوگ کہ انگلستان کو صرف ممالک غیر کی پیداوار کی باز برداری  
اور اسکی نوآبادیوں کی کثرت کی وجہ سے با وقعت سمجھتے تھے۔

اب اسکی یہ کرامات دیکھ کر وہ لوگ اسکی صنعت و حرفت کی ترقی کے اعتبار سے بھی  
اسکی عظمت کے دل سے قابل ہو گئے۔

کوئی ایسی خاص وجہ ہے کہ جو ہلکوکافی طور پر تحقیق کی ساتھ تہذیب و عیش و  
عشرت میں فرق بتلا سکے اور تمیز کر سکے ؟

یہ کام تو ہلکوک وقت کی قدر و قیمت کا معلوم ہوتا ہے اور وقت کی قدر و قیمت اُس  
چیز سے اندازہ کیا جاسکتی ہے کہ جو چیز اسکی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ایک اعلیٰ  
درجہ کی فہم اور فراست ایک ناچیز ”لمحہ“ کو بھی ایسا قابل قدر اور قیمتی بنا دیتی ہے  
کہ جو جو بہترین اور فائدے حضرت انسان کو اُس سے پہونچنے لگتے ہیں وہ اون

سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں کہ جو سستی و کاہلی کے ہاتھوں کہیں برسوں اور صدیوں میں جا کر بھی شکل سے پہونچ سکتے ہیں۔

عیش و عشرت میں پڑ کر خود پرست بننا ہمارے وقت کو ذرا بھی قیمتی اور قابل قدر نہیں بنا سکتا۔ ہاں البتہ قوائے ذہنی کو مناسب طریقے سے کام میں لانا بلاشبہ وقت کو اکیسیر زیادیتا ہے۔

قوائے ذہنی میں جو مادہ اختراعی ہے وہی تہذیب کا گویا سب سے بڑا ذریعہ ہے وقت میں جو اشیا کے پیدا اور مہیا کرنے کی طاقت ہے اس کا اندازہ اون چیزوں کی مقدار اور ماہیت سے اور نیز اس سے کہ وہ کہاں تک انسانی ضرورتوں میں کارآمد ہو سکتی ہیں اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ مذہب و شایستہ اور مبارک قوم ہم اوسے کو کہنا پسند کرتے ہیں کہ جو اپنی محنت و صنعت و حرفت کی بدولت دنیا کو ایک بہت ہی قلیل مدت میں عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سے قیمتی چیزیں ہم پہنچا سکتی ہو۔

جس تیزی سے کہ انگریز صنعت کی عمدہ عمدہ چیزیں بناتے ہیں۔ ویسے ہی وہ ازلانی کے ساتھ کہتی بھی ہیں۔

یہ ہرگز خیال کرنا چاہئے کہ وہ ازلانی غیر عمدہ و بد ہوتی ہے یا انکہ قیمت کی کمی و جدا و وسط کی صنعت کی کمکافات ہے۔

”تہذیب“ خراب اور ذلیل چیزوں سے بھی عبث یا بیفائدہ چیزیں نہیں

بناتی ہے۔ یہ کام تو ہوتا ہے ”عیش و عشرت“ اور یا اوس کی مصاحبہ کا ہی  
 کا جو ذرا اپنے آپ کو بڑا جفاکش دکھلانا چاہا کرتی ہیں ”تہذیب“ ہمیشہ عذرہ اور  
 ستہری چیزوں کے ارزان کرنے کی طرف مائل اور متوجہ رہتی ہے۔  
 انگلستان کے جزیرے کو اس بات کا فخر اور سچا فخر ہے کہ اوس کے ہاں پشینہ  
 کا بیج فی آدمی یورپ کے اور دوسرے خوش حال ملکوں سے المضاعف۔  
 اور تمام بڑے یورپ میں مشمول اوس کے سرحدیوں کے جس قدر اوسط پڑتا ہے  
 اوس سے بھی اور چار گونہ زائد ہے۔ !!!

## خبر

کاش مغلس اور فاقہ زدہ ہندوستان بھی انگلستان سے اوسکی صنعت و حرفت  
 کی برکتوں کا سبق حاصل کر کے اپنے آپ کو خوشحال اور مالامال بنانے کی کوشش  
 کرتا ! اگر وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اوسکی فلاح و بھبود کا مقصد صرف مالی کیجکیشن  
 یعنی اعلیٰ تعلیم سے پورا ہو جائیگا تو یہ قیامت تک ممکن نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں تعلیم کا یہ اولٹا اثر پڑ رہا ہے کہ قدیمی پیشہ والے  
 لوگ بھی اپنے اپنے پیشوں کو چھوڑ کر تعلیم یافتہ ہونیکے گمنامین نوکریاں ڈھونڈ رہے  
 ہیں۔ مگر بلاشبہ کامیابین اس قدر تنگ ہیں کہ ملک کے تمام تعلیم یافتہ لوگ کسی  
 طرہ اوس میں ملا نہیں سکتے۔ یہ لوگ تعلیم یا اپنے آبائی اور جدید پیشوں کو مست نفرت

